ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JUHD-E-HAQ - March-2019 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 26......شمارہ نمبر 3......مارچ 2019

جور کے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

27 جنوری 1952......11 فروری 2018

انسانی حقوق کے عالمی دن

مارچ

یکم مارچ	امتیاز کے خاتمے کا دن (یو این ایڈز)
3 مارچ	جنگلی حیات کا عالمی دن
8 مارچ	خواتین کا عالمی دن
20 مارچ	خوشی کا عالمی دن
21 مارچ	نسلی امتیاز کے خاتمے کا عالمی دن
21 مارچ	شاعری کا عالمی دن (یونیسکو)
21 مارچ	نوروز کا عالمی دن
21 مارچ	پیدائشی ذہنی معذوری کا عالمی دن
21 مارچ	جنگلات اور درخت کا عالمی دن
22 مارچ	پانی کا عالمی دن
23 مارچ	موسمیات کا عالمی دن (ڈبلیو ایم او)
24 مارچ	تپ دق کا عالمی دن
24 مارچ	انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں سے متعلق حقائق کو جاننے کے حق اور متاثرین کی عزت نفس کا عالمی دن
25 مارچ	غلامی اور غلاموں کی سمندر پار تجارت کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
25 مارچ	عملے کے زیر حراست اور لاپتہ اراکین سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

فہرست

پریس ریلیزیں	03
عاصمہ جہانگیر کی یاد میں	04
عاصمہ جہانگیر اور اوکاڑہ مزارعین کی جدوجہد	07
عاصمہ کی میراث	08
کامریڈ محمود بٹ	08
''چیف صاحب! یہ کام آپ کے کرنے کا نہیں، آپ ان سے دور رہیں''	09
عاصمہ جہانگیر، آپ کو بھلایا نہیں جاسکتا	10
ایچ آر سی پی کے شکایت مرکز کا تجزیہ (2018-19)	11
سماجی تبدیلی کا بوجھ خواتین پر	14
یہ عمارت کہنہ ٹوٹ بھی سکتی ہے	15
ہونہار طالبہ سے بھکارن تک	16
دو خوش آئند فیصلے	17
پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال	18
تعلیم	22
اقلیتیں	22

عاصمہ جہانگیر کی یاد میں، ایک برس بیت جانے کے بعد

عاصمہ جہانگیر کے انتقال کی صورت میں پہنچنے والا نقصان ایک برس بعد بھی کم نہیں ہوسکا۔ تاہم پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے لیے، جس کی انہوں نے 1987 میں اپنے چند دیگر ساتھیوں کے ساتھ بنیاد رکھی، یہ خسارہ ان کے ورثے کو آگے لے جانے کے لیے ایک نئے عزم کا باعث ثابت ہوا ہے۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا کہ، 'پاکستان میں انسانی حقوق کی تحریک کو اجتماعی ضمیر کی جتنی آج ضرورت ہے اتنی پہلے کبھی بھی نہیں رہی۔ درحقیقت، اگر عاصمہ آج ہمارے ساتھ ہوتیں تو وہ اجتماع کی آزادی، نقل وحرکت کی آزادی اور اظہار کی آزادی پر پابندیوں کے خلاف آواز اٹھانے کا سلسلہ جاری رکھتیں۔ وہ غیر محفوظ اور کمزور عورتوں، بچوں، کسانوں ومزدوروں، جبری مزدوروں، مذہبی ولسانی اقلیتوں، اور خواجہ سراء برادری کا دفاع کرتیں، اور انتخابی بدنظمی اور غیر ضروری عدالتی فعالیت کو ہدف تنقید بناتیں، مگر جمہوریت اور آزاد عدلیہ کی ضرورت کا دفاع کرتیں۔ اس طرح وہ ان تمام لوگوں کے لیے بولتیں جو بنیادی حقوق اور آزادیوں کی حتمی حیثیت پر یقین رکھتے ہیں۔

گزشتہ برس کے دوران، ایچ آر سی پی نے محترمہ جہانگیر کے چھوڑے گئے خلا کے باوجود اس کام کو جاری وساری رکھا ہے۔ ان کے نقوش اس ادارے پر آج بھی موجود ہیں جس کی وہ شریک بانی تھیں اور انسانی حقوق کے کئی کارکنوں پر بھی جن کی انہوں نے تربیت کی۔ ایچ آر سی پی کی گورننگ باڈی اور ملک بھر میں کمیشن کا سٹاف عاصمہ جہانگیر کے مشن پر کاربند ہے اور ان کے جذبے اور ہمت کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔ جس طرح انہوں نے خود ایک بار کہا تھا، ''انسانی حقوق ایک کام نہیں بلکہ طرز زندگی ہے۔'' ایچ آر سی پی کے لیے یہ بات اب بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ [پریس ریلیز۔ لاہور۔ 11 فروری 2019]

ریپ کی دھمکیاں ناقابل قبول ہیں

گذشتہ چند دنوں میں پیش آنے والے واقعات کے پیش نظر، جن میں بظاہر نظر آرہا ہے کہ قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو ہر قسم کی قانونی کاروائی سے استثنیٰ دیا جارہا ہے، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے شمالی وزیرستان کے گاؤں خیور میں ایک پشتون خاتون کی مبینہ ہراسانی پر شدید تشویش ظاہر کی ہے۔ ہراسانی کا الزام ان کے کمسن بیٹے حیات خان کی طرف سے ریکارڈ کیے گئے ایک ویڈیو بیان میں لگایا گیا جسے سوشل میڈیا پر ریلیز کیا گیا تھا۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں، ایچ آر سی پی نے یہ کہہ کر واقعے کی پرزور مذمت کی ہے کہ 'ریاستی ایجنسی کے اہلکاروں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کے گھر میں داخل ہوں اور کسی خاتون کو ریپ کی دھمکیاں دیں جن کے خاوند اور بڑے بیٹے کو، اطلاعات کے مطابق، اس سے پہلے ہونے والے ایک سکیورٹی آپریشن میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اگرچہ ان کے خاوند کو اب رہا کردیا گیا ہے، مگر اس سے ان کی ہراسانی اور انہیں ملنے والی ریپ کی دھمکیوں کا ازالہ ہرگز نہیں ہوا۔

'ایچ آر سی پی کو دیگر ذرائع بشمول انسانی حقوق کے کارکنوں کی ایک آزاد ٹیم سے جس نے ویڈیو ریلیز ہونے کے فوری بعد حیات خان کی والدہ سے ملاقات کی، سے یہ جان کر انتہائی تکلیف ہوئی ہے کہ اس واقعے کی دیگر واقعات سے کڑیاں ملتی ہیں۔ ریاستی ایجنسی کی زیادتیوں جیسی صورتحال میں لوگوں کو خاموش رہنے پر مجبور کرنے کیلیے ریپ کا نشانہ بنانا یا ریپ کی دھمکیاں دینا انتہائی افسوس ناک بات ہے۔ ایچ آر سی پی کا حکومت سے پرزور مطالبہ ہے کہ اس واقعے کی آزاد وشفاف تحقیقات کی جائیں اور حقائق عوام کے سامنے لائے جائیں تاکہ یہ پیغام دیا جاسکے کہ ریپ کی دھمکیاں کسی بھی قسم کے حالات میں برداشت نہیں کی جاسکتیں چاہے وہ ریاستی ایجنسیوں کی طرف دی گئی ہوں یا افراد کی طرف سے۔ [پریس ریلیز۔ لاہور۔ 05 فروری 2019]

سوشل میڈیا کے محفوظ استعمال کے لیے ایچ آر ڈیز کی تربیت

سوشل میڈیا پر پابندیوں کے بڑھتے ہوئے خدشات کے پیش نظر، خاص طور پر سوشل میڈیا کے کارکنوں اور صحافیوں پر پابندیاں جو ایسے امور پر آواز اٹھاتے ہیں جنہیں مرکزی میڈیا کی انتہائی کم توجہ ملتی ہے اگر کوئی توجہ ملتی بھی ہے تو، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) یہ ضروری سمجھتا ہے کہ انسانی حقوق کے محافظین (ایچ آر ڈیز) کو ضروری تربیت سے لیس کیا جائے تاکہ وہ سوشل میڈیا ایپس کو محفوظ اور مفید طریقے سے استعمال کرسکیں۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں، ایچ آر سی پی نے سوشل میڈیا پر ''کریک ڈاؤن'' کے 'حالیہ حکومتی منصوبوں سے متعلق اطلاعات' پر خدشات کا اظہار کیا ہے۔ ریاست کو ملک بھر میں ایچ آر ڈیز کی ایک بڑی تعداد کو مدنظر رکھنا ہوگا جو انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق اطلاعات ومعلومات اور انسانی حقوق کے معاملات پر لوگوں کو متحرک کرنے کے لیے سوشل میڈیا ایپس کا استعمال کرتے ہیں، خاص طور پر ایسے کئی علاقوں میں جہاں کمیونیکیشن کا واحد محفوظ ذریعہ سوشل میڈیا ایپس ہی ہیں۔

ایچ آر سی پی نے حال ہی میں تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا۔ ان ورکشاپس کی انجام دہی بولو بھی نامی تنظیم نے کی جو پاکستان میں ڈیجیٹل حقوق کے لیے کام کرتی ہے۔ ان ورکشاپس میں 77 اضلاع/شہروں بشمول اسلام آباد، لاہور، ملتان، سکھر، کراچی، حیدرآباد، کوئٹہ اور پشاور سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے 263 محافظین نے حصہ لیا۔ اس سے ایچ آر سی پی کو سہولیات سے محروم علاقوں جیسے کہ جنوبی پنجاب، گلگت بلتستان، اندرون سندھ، وسطی بلوچستان اور مغربی خیبر پختونخوا سے تعلق رکھنے والے شرکا تک رسائی کا موقع ملا۔

'انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے ذریعے کمیونیکیشن کی بڑھتی ہوئی اہمیت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ایسے ذرائع کے استعمال سے وابستہ خطرات کو سمجھا جائے۔ ان ورکشاپس میں انسانی حقوق کے محافظین، جن میں ایک بڑی تعداد خواتین کی تھی، کو اس بات کی تربیت دی گئی کہ وہ انٹرنیٹ پر اور فیلڈ میں اپنی موجودگی کو سمجھیں اور اسے محفوظ بنائیں، خاص طور پر ایک ایسے مخالفانہ ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے جس میں بہت سے کارکن کام کرتے ہیں۔ معلومات کے بنیادی حق کا اظہار رائے، نقل وحرکت اور اجتماع کی آزادی کے استعمال کے طریقوں سے گہرا تعلق ہے، جو تمام ہی پاکستان میں انسانی حقوق کے کام کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ [پریس ریلیز۔ لاہور۔ 14 فروری 2019]

عاصمہ جہانگیر کی یاد میں

ایچ آر سی پی نے محترمہ عاصمہ جہانگیر کی پہلی برسی کے موقع پر ملک کے مختلف حصوں میں تقاریب کا اہتمام کیا

لاہور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے عاصمہ جہانگیر کی پہلی برسی پر ان کی یاد میں ایک ریفرنس کا اہتمام کیا جہاں عاصمہ کے دوستوں اور حامیوں نے ان کی یادوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

انسانی حقوق کے نامور کارکن آئی اے رحمان نے عاصمہ کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بغاوت کے ماحول میں جنم لیا تھا اور بعد میں وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں، اور کسی بھی قسم کے ناجائز عمل اور ناانصافی کے خلاف ایک جنگجو بن کر سامنے آئیں۔ ''مجھے یاد ہے کہ ایک کنونشن میں اردشیر کاؤس جی بھٹو مخالف پمفلٹ تقسیم کر رہے تھے اور اگرچہ عاصمہ کا کئی نکات پر بھٹو کے ساتھ اختلاف تھا مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے کاؤس جی کو ایسا کرنے سے روکا کہ یہ تقریب انسانی حقوق کے متعلق ہے اور اسے سیاست کی نذر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں''

مسٹر رحمان نے ایچ آر سی پی کی تشکیل کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ یہ عاصمہ کا تصور تھا اور بتایا کہ کس طرح وہ نہ صرف اس کی تشکیل میں بلکہ اس کو چلانے میں بھی سرگرم رہیں۔

''ہال روڈ پر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو ایچ آر سی پی کا پہلا دفتر بنا، عاصمہ نے کام کے لیے بھی کسی کا انتظار نہیں کیا تھا۔ کام شروع کرنے میں وہ ہمیشہ پہل کرتی تھیں اور اس کے باوجود وہ ایچ آر سی پی کی سب سے عاجز رکن تھیں''۔

آرٹسٹ نازش عطاء اللہ نے بھی عاصمہ کے ساتھ اپنی یادوں کا ذکر کیا اور کہا کہ عاصمہ کے گھر میں ترقی پسند ماحول تھا جس سے انہیں ترقی پسند و انصاف پسند ذہن سازی کرنے میں مدد ملی۔ انہوں نے کہا کہ عاصمہ نے ہمیشہ دوسروں کی غلطیاں معاف کیں اور بدترین بدزبانی، خاص طور پر آن لائن بدزبانی کا نشانہ بننے کے باوجود بدزبانی کا جواب ہنسی مذاق میں دیا جو ان کے لیے بہت حیرانی کی بات تھی۔

نامور صحافی حسین نقی نے کہا کہ عاصمہ کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ وہ اپنے والد کی طرح تن تنہا جدوجہد نہیں کرتی رہیں بلکہ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے اپنے ساتھ ہزاروں لوگ اکٹھے کیے۔ مسٹر نقی نے مزید کہا کہ وہ جبری مشقت، عورتوں و بچوں کے خلاف تشدد، تقریر و اظہار کی آزادی پر پابندیوں، تضحیک مذہب قانون کے غلط استعمال اور بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف آواز بلند کرتی رہیں۔

ایچ آر سی پی کے چیئرپرسن ڈاکٹر مہدی حسن نے کہا کہ عاصمہ وہ عورت تھیں جنہوں نے مال روڈ پر وہ بینرز ہٹائے جن پر ایک مذہبی گروہ نے ان کی موت کا فتویٰ لکھا ہوا تھا اور وہ ڈبے بھی ہٹائے جو اس مقصد کے لیے رکھے ہوئے تھے کہ لوگ ان کے خلاف دشنام طرازی لکھ کر ان میں پھینکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ''جس ادارے کی عاصمہ نے بنیاد رکھی اس پر اور انسانی حقوق کے متعدد کارکنوں جن کی انہوں نے تربیت کی، ان پر عاصمہ کے نقوش آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں''۔

صحافی راشد رحمان نے کہا کہ وہ عاصمہ سے ملنے سے پہلے ہی انہیں جانتے تھے۔ ''میں نے ملک غلام جیلانی کی اٹھارہ سالہ بیٹی کے بارے میں سن رکھا تھا جس نے عدالت میں اپنے والد کا مقدمہ لڑا تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ عدالت عظمیٰ نے کسی فوجی آمر کو غاصب قرار دیا تھا''۔

نیلم حسین نے کہا کہ عاصمہ نے صائمہ وحید کا مقدمہ جیتا جس کے بعد یہ قرار پایا کہ لڑکی کی شادی کے لیے ولی یا سرپرست کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقدمے اور اس سے قبل سلامت مسیح کے مقدمے نے عاصمہ کی بہادری کو ثابت کیا۔ نیلم حسین نے مزید کہا کہ ''انہیں قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں۔ جسٹس اعجاز بھٹی جنہوں نے سلامت مسیح کے حق میں فیصلہ تھا، کو قتل کر دیا گیا تھا۔ بعدازاں ایک آدمی جو سلامت مسیح کے مقدمے میں احاطہ عدالت میں دیکھا گیا تھا، اسے صائمہ وحید کے مقدمے میں بھی دیکھا گیا تھا۔ تلاشی لینے پر اس سے پستول برآمد ہوا۔ مگر کوئی بھی چیز عاصمہ کو خوفزدہ نہ کر سکی۔ پیٹر جیکٹ نے کہا کہ عاصمہ نے ملکی و عالمی سطح پر انسانی حقوق کے قانونی اصول متعارف کروائے ہیں اور وہ پاکستان کی غیر مسلم آبادی، خاص طور پر نچلے طبقے میں انتہائی مقبول تھیں۔

کوئٹہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان چیپٹر نے انسانی حقوق کی علمبردار محترمہ عاصمہ جہانگیر مرحومہ کی پہلی برسی کے مناسبت سے اپنے کوئٹہ دفتر میں ایک تعزیعتی ریفرنس کا انعقاد کیا جس میں انسانی حقوق کے ممبران، وکلاء برادری، طالبعلموں اور سماجی تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی۔

بلوچستان کے وائس چیئرپرسن حبیب طاہر ایڈووکیٹ، کونسل ممبر طاہر حسین ایڈوکیٹ، کونسل ممبر محترمہ قمر النساء ایڈووکیٹ، احد آغا، ڈاکٹر خالد ہمایوں، راحت ملک، اور ڈاکٹر کلیم اللہ نے محترمہ عاصمہ جہانگیر کو اپنے الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ عاصمہ جہانگیر ایک وکیل اور انسانی حقوق کے کارکن کی حیثیت سے ہمیشہ اپنے اصولی موقف پر قائم رہیں۔ عاصمہ بی بی کو بلوچستان سے خاص لگاؤ تھا اسی لیے وہ ہمیشہ بلوچستان کے لوگوں کے حقوق کی بات کرتیں اور ہر مشکل وقت میں وہ ان کے ساتھ کھڑی رہتی تھیں۔ چاہے لاپتہ افراد کا

مسئلہ ہو یا نواب اکبر خان بگٹی کے خلاف مشرف کا آپریشن انہوں نے ہر وقت بلوچستان کا ساتھ دیا اور آخری دم تک وہ بلوچستان کے حقوق کے لیے لڑتی رہیں۔ سپریم کورٹ میں سب سے پہلے بلوچستان کے لاپتہ افراد کا کیس بھی عاصمہ بی بی نے فائل کیا اور لاپتہ افراد کے مسئلہ کو ملکی سطح پر اٹھایا اور لاپتہ افراد کے خاندانوں کی آواز میں آواز ملا کر ان کی بازیابی کی جنگ لڑی۔ اور ان مشکل اوقات میں جب ڈیرہ بگٹی میں آپریشن جاری تھا تو عاصمہ خود پہاڑوں میں نواب بگٹی سے ملنے گئیں۔ اور ان کے مطالبات حکومتِ وقت تک پہنچائے۔ جہاں پر ان کے قافلے پر فائرنگ ہوئی مگر پھر بھی وہ وہاں تک پہنچیں اور نواب صاحب سے ملاقات کی۔ اور ڈیرہ بگٹی کے لوگوں کی آواز بنیں طالبانائزیشن، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف پاکستان میں عاصمہ سے توانا آواز شاید ہی کوئی رہی ہو تاہم جب فوجی عدالتوں سے پے در پے مبینہ دہشت گردوں کو سزائیں ہوئیں تو ہر دوسری سزا کو عاصمہ جہانگیر ہی چیلنج کرتی تھیں۔ انہوں نے سپریم کورٹ میں آئینی درخواست بھی دائر کی کہ ملٹری کورٹس کی تمام سزاؤں کو بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور مبینہ دہشت گردوں کو شفاف ٹرائل کا موقع نہ دیے جانے پر کالعدم قرار دیا جائے۔ بطور ایک پاکستانی ہمیں فخر ہے کہ ہماری صف میں عاصمہ جہانگیر کی شکل میں ایسی وکیل موجود رہی ہیں جنہیں ہم بلا مبالغہ عالمی صف کے ان وکلا میں شامل کر سکتے ہیں جنہوں نے اعلیٰ ترین فورمز پر انسانی حقوق کی ترجمانی کی۔ عاصمہ جہانگیر کا نام ملکی سیاست کے افق پر بہت چھوٹی عمر میں ہی سامنے آ گیا تھا جب دسمبر 1972 میں ان کے والد ملک غلام جیلانی کو اس وقت کے فوجی آمر یحییٰ خان کی حکومت نے مارشل لا قوانین کے تحت حراست میں لیا تھا۔ عاصمہ جہانگیر نے اپنے والد کی رہائی کے لیے لاہور ہائی کورٹ میں پٹیشن دائر کی اور اگلے سال یحییٰ خان کی حکومت کے خاتمے

کے بعد اس مقدمے کا فیصلہ سنایا گیا جس میں فوجی حکومت کو غیر قانونی اور یحییٰ خان کو 'غاصب' قرار دیا گیا۔ انھوں نے اپنی بہن حنا جیلانی اور دیگر خواتین کے ساتھ مل کر پاکستان کا پہلا خواتین پر مبنی وکالت کا ادارہ بھی قائم کیا۔ ضیا الحق کے مارشل لا کے دور میں عاصمہ جہانگیر نے کئی مظاہروں میں حصہ لیا اور 1983 میں لاہور کے مال روڈ پر ویمن ایکشن فورم کے پلیٹ فارم سے حدود قوانین کے خلاف کیے جانے والا مظاہرہ ملک کے تاریخی مظاہروں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ پروگرام کے آخر میں ایچ آر سی پی کی کونسل ممبر قمر النساء نے ایک قرارداد پیش کہ 12 فروری کے دن کو عاصمہ کے نام سے منسوب کیا جائے۔

پشاور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے پشاور چیپٹر نے عاصمہ جہانگیر کی پہلی برسی پر ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں صحافیوں، طالبعلموں، وکیلوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں نے شرکت کی۔ مسٹر حبیب حسن نے عاصمہ کی زندگی اور جدوجہد پر بات کرتے ہوئے کہا کہ وہ پاکستان کے عوام کی آواز تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ملک و معاشرے کی ترقی کے لیے عاصمہ کی جدوجہد کو یاد رکھنا ناگزیر ہے۔ ان کی زندگی ہمت، بہادری اور انسانی حقوق کی جدوجہد کا عملی مجسمہ تھی۔ انہیں یاد کر کے ہمیں معاشرے میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے تحریک و جذبہ ملتا ہے۔ وہ ایک محبِّ وطن اور دیانتدار رہنما تھیں اور استحصال سے پاک پاکستان ان کا خواب تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر سرفراز خان نے کہا کہ پاکستان کی سول سوسائٹی کو مضبوط و متحد رکھنے میں عاصمہ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ انہوں نے کہا کہ عاصمہ انسانی حقوق، جمہوریت اور تقریر و تحریر کی آزادی کی علمبردار تھیں۔ سماجی کارکن حنیف آفریدی نے عاصمہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ عوام کی مخلص دوست اور جمہوریت، قانون کی حکمرانی اور تقریر کی آزادی کی علمبردار تھیں۔

گذشتہ 22 برسوں سے ایچ آر سی پی کے ساتھ وابستہ مسٹر ساجد محمد نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر بہت شفیق انسان تھیں اور انہوں نے ایچ آر سی پی کے ملازمین کے لیے بہت زیادہ خدمات پیش کیں۔ انہوں نے کہا کہ عاصمہ اپنے ساتھیوں، ایچ آر سی پی کے اراکین اور پاکستان میں انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والوں کے لیے حوصلہ افزائی کا سبب تھیں۔ ایڈووکیٹ حمزہ جہانگیر نے کہا کہ وہ ان خوش قسمتوں میں شامل ہیں جو عاصمہ سے ملے اور ان سے رہنمائی حاصل کی۔ درحقیقت، وہ نہ صرف دنیا بھر میں انسانی حقوق کے کارکنوں کی رہنما تھیں بلکہ وکیلوں کے لیے بھی عملی نمونہ تھیں۔ دیگر مقررین میں راحت نذیر، منظور آفریدی، اشفاق حسین، کامران بھٹی، محترمہ شمائلہ کامران، مطیع اللہ خٹک، سید مطیع الحق، محمد شفیق، صفیہ جاوید، نور اشعر، فرح یوسفزئی اور باب الطاف قادر شامل تھے۔

کراچی پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کراچی چیپٹر نے 11 فروری 2019 کو ویمن ایکشن فورم کے اشتراک سے کراچی آرٹس کونسل میں عاصمہ جہانگیر کی پہلی برسی پر ایک تقریب کا انعقاد کیا جس میں ایچ آر سی پی کی شریک چیئر پرسن عظمیٰ نورانی، اسد اقبال بٹ وائس چیئر پرسن سندھ چیپٹر، کونسل رکن زہرہ یوسف، غازی صلاح الدین، انیس ہارون رکن نیشنل کمیشن برائے انسانی حقوق، نذہت شیرین رکن سندھ کمیشن برائے خواتین، وکلاء، سول سوسائٹی کی تنظیموں، صحافی، اور اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی تنظیموں نے شرکت کی۔

پروگرام کا آغاز سوہائی ابڑو کے کلاسیکل رقص سے ہوا جس میں انہوں نے عورتوں کی جدوجہد کی عکس بندی کی اور عاصمہ جہانگیر کو خراج تحسین پیش کیا۔

تقریب کا آغاز کرتے ہوئے قومی نیشنل کمیشن برائے انسانی حقوق کی صوبائی رکن انیس ہارون نے کہا کہ وہ عاصمہ کو کبھی فراموش نہیں کر پائیں گی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر عوام محفوظ نہیں تو ملک بھی محفوظ نہیں رہتے۔ اگر لوگوں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے تو وہ خوشحالی اور امن کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ انہیں بنیادی حقوق دینا حکومت کی آئینی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے مزید بات کرتے ہوئے کہا کہ کون سے قانون کے تحت غریب لوگوں کے روزگار اور عمارتوں کو منہدم کیا جا رہا ہے؟ امیروں کی غیر قانونی جائیداوں پر ہاتھ بھی نہیں دھرا جا رہا۔ اپنی بات کا اختتام کرتے ہوئے انیس ہارون نے کہا کہ سچ کو سچ کہا جائے اور جھوٹ کو جھوٹ تب ہی حالات بہتری کی طرف جائیں گے۔ شرکا کا کہنا تھا کہ عاصمہ جہانگیر نے اپنی زندگی میں تقریباً ہر شعبے میں نمایاں کارکردگی دکھائی اور اپنی انتھک محنت کی وجہ سے آج بھی وہ لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں اور شاید ان کے جیسی باہمت عورت کی کمی انسانی حقوق کی تاریخ میں ہمیشہ محسوس کی جائے گی۔

انہوں نے مزید کہا کہ عاصمہ جہانگیر نے ہمیشہ جمہوریت کے فروغ کے لیے آواز اٹھائی، لوگوں میں شعور پیدا کیا کہ وہ اپنے حق کے لئے آواز اٹھائیں۔ امر سندھو نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر نے جبری مشقت کے خلاف اور غیرت کے نام پر قتل کر دینے والی روایت کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے مزید کہا کہ عاصمہ جہانگیر پسماندہ طبقے کی آواز تھیں جو ہمیشہ ظلم کے خلاف ان کی مدد کے لیے کوشاں رہتی تھیں۔ مریم پلیجو نے کہا کہ جرگہ، کاروکاری اور بچپن کی شادی غیر آئینی اقدامات ہیں لیکن سندھ میں ہو رہے ہیں۔ سندھیانی تحریک نے اس مسئلہ پر آواز اٹھائی تو عاصمہ جہانگیر نے اس پر باقاعدہ کام کیا اور ہمارا ساتھ دیا۔ کلپنا دیوی نے کہا کہ عاصمہ کی موت اقلیتوں کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ ''وہ ہمیشہ ہمارے شانہ بشانہ کھڑی رہتی تھیں جب بھی مجھے کوئی بات پوچھنی ہوتی تھی تو میں عاصمہ کو فون کر کے مسئلے پر بات کرتی تھی وہ ہمیشہ مجھے ہمت دیتی تھیں''۔

عقیلہ ناز نے کہا کہ 2008 سے 2018 تک 18 سال ہو چکے ہیں لیکن کسانوں کے مسائل وہیں کے وہیں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح عاصمہ جہانگیر نے سال 2000 میں ان کے مسائل اجاگر کرنے کے لیے ان کے ساتھ مارچ کیا تھا۔ ملیحہ ضیاء کا کہنا تھا کہ عاصمہ نے واضح طور پر بتایا تھا کہ ہمیں کیا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں بنیادی باتوں کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور امید ہے کہ ایسا کرنے سے ہم آگے بڑھیں گے۔ عاصمہ جہانگیر نے انسانی حقوق کے دفاع کاروں کی ایک نسل تیار کی ہے۔ غازی صلاح الدین کا کہنا تھا کہ اگر عاصمہ آج زندہ ہوتی تو اس توڑ پھوڑ کے خلاف کھڑی ہو جاتیں۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم عاصمہ کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں ان سے متعلق بہت سی باتیں آتی ہیں جو انہوں نے انسانی حقوق کی بقا کے لیے کیں۔

انہوں نے شہریوں کے حقوق کے لئے، اقلیتوں کے لیے، خاص طور پر جبری گمشدگیوں کے خلاف واضح آواز اٹھائی۔ میں ایچ آر سی پی کے ساتھ گزشتہ کئی سالوں سے کام کر رہا ہوں، زہرہ اور میں ہمیشہ ان ہی کے ساتھ ٹھہرتے تھے ہم نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے، ان کی شخصیت بہت بڑی تھی اور جس طرح وہ ہر مسئلے پر اپنی کمانڈ رکھتی تھیں۔ ان کو بچھڑے ہوئے صرف ایک سال گزرا ہے لیکن لگتا ہے کہ ہم پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے''۔

زہرہ یوسف نے کہا کہ اگر شاہ عبداللطیف بھٹائی زندہ ہوتے وہ ضرور عاصمہ کی میراث اور جدوجہد کے بارے میں کچھ لکھتے۔

جب ایچ آر سی پی کی بنیاد رکھی گئی تو سب سے پہلا فیکٹ فائنڈنگ مشن سندھ میں کیا گیا تھا خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں فوج موجود تھی۔ انہوں نے بغیر کسی غرض کے انسانی حقوق کو سامنے رکھتے ہوئے سب کا ساتھ دیا جب الطاف حسین پر پابندی لگی تب سب سے پہلے عاصمہ ان کے ساتھ کھڑی تھی۔ عاصمہ جہانگیر نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر بگٹی سے ملاقات کی تھی۔ عاصمہ نے طالبان کے اہل خانہ کے ساتھ ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے آصف علی زرداری سے بات کی اور کہا کہ اس سلسلے کو بند کیا جائے۔ انہوں نے بھٹہ مزدوروں، جبری مزدوروں اور ہاریوں کے لیے آواز اٹھائی۔ انہوں نے جبری مشقت بل بنایا اور حکومت کے سامنے پیش کیا۔ عاصمہ پشتون تحفظ موومنٹ کی بھی حمایت کرتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ اگر پشتون نہیں ہوں گے تو پاکستان نہیں رہ سکتا۔

آخر میں مومن خان مومن نے عاصمہ جہانگیر کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک نظم پڑھی اور تقریب کا اختتام کیا۔

تربت 11 فروری 2019 کو ایچ آر سی پی کی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران کے زیر اہتمام انسانی حقوق کی عظیم علمبردار اور قابلِ احترام ساتھی عاصمہ جہانگیر کی یاد میں ایک نشست منعقد ہوئی، جس میں متعدد خواتین و حضرات نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز رجسٹریشن سے ہوا، اس کے بعد کئی شرکاء نے موضوع پر اظہار خیال کیا جن میں، غنی پرواز، محمد کریم گچکی، شگر اللہ یوسف، شہناز شبیر، ساجدہ گل، عبدالمجید دشتی ایڈوکیٹ، منور علی رٹہ، جمال پیر محمد، اور زمان خور شید شامل ہیں۔ شرکاء نے

اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی علمبردار، نامور قانون دان اور مشہور سماجی کارکن تھیں۔ وہ ایچ آر سی پی کے بانیوں میں شامل تھیں۔ وہ وکلا تحریک کی سرکردہ رہنماؤں میں سے تھیں۔ وہ پاکستان کی حکومتوں اور سرکاری اداروں، اور خصوصاً فوج کے سیاسی کردار پر تنقید کے لیے مشہور تھیں۔ انہیں بلوچستان کے معاملات سے بے حد دلچسپی اور ہمدردی تھی اور اُن کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ بلوچستان کے زیادہ سے زیادہ مسائل حل ہو جائیں، اور وہاں ہر طرح کی ترقی ہو۔ انہیں اپنی عظیم قومی اور بین الاقوامی خدمات کی بدولت بہت سارے قومی اور بین الاقوامی انعامات سے نوازا گیا تھا۔ اور پھر اقوام متحدہ کا انعام برائے انسانی حقوق اُنہیں بعد از انتقال 19 دسمبر 2018 کو عطا کیا گیا۔ ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک تربت مکران کی آج کی اس نشست کے تمام شرکاء کی جانب سے عاصمہ جہانگیر کو ان کی عظیم خدمات کے لیے خراجِ عقیدت پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ ان کے نزدیک عاصمہ جہانگیر جیسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ شرکاء کے خیال میں ایسی عظیم شخصیات وفات نہیں پا سکتیں بلکہ ہمیشہ زندہ رہتی ہیں، اور عاصمہ جہانگیر بھی زندہ ہیں، اور ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ وہ اپنی عظیم خدمات کی بدولت امر ہو چکی ہیں۔

حیدرآباد 11 فروری کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام انسانی حقوق کی علمبردار عاصمہ جہانگیر کی پہلی برسی کے موقع پر ان کی یاد میں پریس کلب حیدرآباد میں تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں شرکاء نے عاصمہ جہانگیر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی یاد میں ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی۔ تقریب سے یوسف لغاری، پروفیسر مشتاق میرانی، پروفیسر بدر سومرو، عرفانہ ملاح، امر سندھو، امجد پلیجو، لالہ عبدالحلیم شیخ اور دیگر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ عاصمہ جہانگیر ایک بہادر اور نڈر خاتون تھیں۔ ان کی زندگی جدوجہد کا درس دیتی ہے۔ عاصمہ جہانگیر نے انسانی حقوق، جمہوریت اور اظہار رائے کی آزادی کی جدوجہد کی۔ عاصمہ جہانگیر نے ہمیشہ آمریت کو للکارا۔ وڈیرہ شاہی اور جاگیرداروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔ ایچ آر سی پی کے ریجنل کوآرڈینیٹر پروفیسر امداد چانڈیو نے ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا کہ عاصمہ جہانگیر کی انسانی حقوق، جمہوریت اور اظہار رائے کی آزادی کی جدوجہد کو جاری رکھا جائے۔ وہ انسانی حقوق کی پامالی کی مختلف شکلوں میں مذمت کرتے ہیں۔ میڈیا کی آزادی سلب کی جا رہی ہے۔ میڈیا کے کارکنوں کو بے روزگار کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔ بے دردی سے قتل کئے گئے ارشاد رانجھانی کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے اور اس واقعے کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائی جائے۔ انہوں نے رمشا وسان کے قتل کی بھی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے قاتلوں کو بھی گرفتار کیا جائے۔ خواتین کے تحفظ کے لیے پورے سندھ میں ویمن پولیس اسٹیشن قائم کر کے وہاں لیڈیز عملہ تعینات کیا جائے۔ تقریب سے معروف قانون دان یوسف لغاری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جو ادارے شہریوں کے تحفظ کے لیے بنائے جانے چاہئیں وہ ادارے خود شہریوں کو ہراساں کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان بار کونسل نے ڈیم کے معاملے پر ایک قرارداد منظور کی ہے، انہوں نے کہا کہ طلبہ یونین اور مزدور یونین نہ ہونے کی وجہ سے میڈیا پر پابندیاں لگائی گئیں۔ تقریب میں سول سوسائٹی کے رہنماؤں، وکلاء، خواتین، انسانی حقوق کے کارکنوں اور ہاریوں نے بھی شرکت کی۔

ملتان پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس ملتان نے 11 فروری 2019 کو انسانی حقوق کی علمبردار اور معروف قانون دان محترمہ عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان کی پہلی برسی پر تعزیتی اجلاس کا انعقاد کیا جس میں انسانی حقوق کے ممبران، مزدور یونین و سیاسی عہدیداران، وکلاء اور اقلیتی نمائندگان نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اجلاس کی صدارت کونسل ممبر ایچ آر سی پی نذیر احمد نے کی۔

شرکاء نے محترمہ عاصمہ جہانگیر کی انسانی حقوق کے حوالے سے کی گئی گراں قدر خدمات کو سراہا۔ اس موقع پر شرکاء نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ عاصمہ جہانگیر کی وفات پاکستان اور مظلوم طبقہ کے افراد کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے، ان کی کمی کو کسی صورت پورا نہیں کیا جا سکتا۔ محترمہ عاصمہ جہانگیر نے کٹھن حالات ہونے کے باوجود اپنے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا، ہمیشہ انسانی حقوق کی تحریک میں پیش پیش رہیں۔ انھوں نے ہمیشہ بے سہارا اور مظلوم خواتین، بچوں، مزدوروں، کسانوں، جبری طور پر گمشدہ افراد کی بازیابی، صحافیوں، وکلاء اور اقلیتوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی اور ان کی اس جدوجہد سے مظلوم اور بے سہارا خاندانوں کو ان کے بنیادی حقوق حاصل ہوئے۔ شرکاء نے مزید کہا کہ محترمہ عاصمہ جہانگیر نے اپنے ساتھیوں سے ملکر 1987 میں ایچ آر سی پی کی بنیاد رکھی اور آج پورے ملک میں یہ ادارہ بے بس اور مظلوم افراد کی آواز بن چکا ہے۔ شرکاء نے محترمہ عاصمہ جہانگیر کی انسانی حقوق کے لئے کی گئی بے لوث خدمات اور ہمت کو سلام پیش کیا اور اس بات کا بھی عہد کیا کہ محترمہ عاصمہ جہانگیر کی بلند کی گئی آواز کو ہمیشہ جاری وساری رکھا جائے گا۔

اجلاس میں زہرہ سجاد زیدی، عاصمہ خان ایڈووکیٹ، ثریا ایاز راؤ ایڈووکیٹ، مریم فاروق، لبنیٰ ندیم، رانا اقبال، ذیشان فاروق، محمد حسین کھوکھر، شاہد لودھی، جودت سید، ڈاکٹر بشیر انجم، جوزف ندیم، مہر اشرف، اعجاز حیدر، طاہر الماس عیسیٰ بھٹہ، ایاز خان، خالد قریشی، حکیم الطاف، محمد اکمل، فیصل محمود اور نذیر احمد شامل تھے۔

اسلام آباد سیاستدانوں، انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں نے عاصمہ جہانگیر کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ وہ آج بے آواز لوگوں کی آواز بننے کے لیے ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ ان کی جتنی آج ضرورت تھی اتنی شاید کبھی پہلے نہ ہو۔

ان خیالات کا اظہار انہوں نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ایک تقریب میں کیا۔ محترمہ عاصمہ جہانگیر 27 جنوری 1952 کو لاہور میں پیدا ہوئیں اور 11 فروری 2018ء کو فوت ہوئیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما فرحت اللہ بابر نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر دوسرے لوگوں کے لیے ایک استاد اور قائد کا درجہ رکھتی تھیں اور وہ لوگوں کے لیے ایک تحریک تھیں۔ اس لیے ان کی وفات کا غم منانے کی بجائے ان کی زندگی کا جشن منانا چاہیے۔ ''آج ہمیں عاصمہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے کیونکہ لوگوں کے حقوق پر سمجھوتہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ، فیض آباد دھرنے میں عدالت عظمیٰ کا فیصلہ امید کی کرن ہے۔ حکومت کو فیصلے پر اس کی روح کے مطابق عملدرآمد کرنا چاہیے''۔

انسانی حقوق کے نامور کارکن آئی اے رحمان نے کہا کہ 1947ء میں پاکستان کے قیام کے بعد استعماری نظام اختیار کیا گیا۔ ''زیادہ تر قوانین لیبر یونینوں کے خلاف بنائے گئے۔ سیاستدانوں کو بدعنوانی کے الزامات لگا کر ہٹایا گیا مگر ان کی جگہ اور زیادہ بدعنوان لوگوں کو دی گئی۔ دنیا میں ادارہ جاتی بدعنوانی سب سے بری چیز سمجھی جاتی ہے مگر پاکستان میں توجہ کا مرکز انفرادی بدعنوانی ہی رہی۔ غیر سرکاری تنظیموں پر پابندی پر بات کرتے ہوئے مسٹر رحمان نے کہا کہ لڑکھڑاتی ریاست پر واحد کڑی نظر سول سوسائٹی کی تھی اور یہی وجہ ہے کہ سول سوسائٹی کو برداشت نہیں کیا جا رہا۔'' پہلے مرحلے میں ان این جی اوز پر پابندی لگائی گئی جو انسانی حقوق پر بات کرتی تھیں اور اب ان این جی اوز پر بھی پابندی لگائی جا رہی ہے جو عوام میں شعور بانٹ رہی ہیں۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ ریاست یہ بھی نہیں چاہتی کہ ہم سوچیں''۔

سیاستدان اور انسانی حقوق کے کارکن افراسیاب خٹک نے کہا کہ پاکستان میں بظاہر ایک سویلین حکومت ہے مگر عملی طور پر ایسا کہنا درست نہیں۔ شاعر اور مصنف حارث خلیق نے کہا کہ ملک میں ایک تعلیم یافتہ طبقہ ہے جسے عوام کے حقوق میں کوئی دلچسپی نہیں۔ ''اداروں کے درمیان کشمکش نہیں۔ کشمکش مقرر کردہ اور منتخب کردہ کے درمیان ہے۔ مقرر کردہ لوگ منتخب کردہ لوگوں کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ٹریڈ یونینوں، لیبر یونینوں، سیاسی جماعتوں اور سیاسی شخصیات پر پابندی لگائی گئی یا انہیں ان کی جماعتوں سے نکال دیا گیا''۔

انہوں نے کہا کہ سول سوسائٹی کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور انجمن کی آزادی اور اظہار کی آزادی پر بھی حملے ہو رہے ہیں۔ صحافی عاصمہ شیرازی نے کہا کہ گزشتہ ایک برس کے دوران انسانی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں اور بے آواز لوگوں نے عاصمہ کو بہت زیادہ یاد کیا ہے مگر کسی نے بھی ان کی جگہ لینے کی کوشش نہیں کی۔

انہوں نے کہا کہ آج کنٹرولڈ میڈیا، کنٹرولڈ سوسائٹی اور کنٹرولڈ پارلیمان ہے۔ سیاسی جماعتوں کو بولنے کی ضرورت ہے بصورت دیگر وہ بے معنی ہو جائیں گی۔

عاصمہ جہانگیر اور اوکاڑہ مزارعین کی جدوجہد

فاروق طارق

تحریر اوکاڑہ کے مزارعین اور عاصمہ جہانگیر کی ان کے ساتھ یکجہتی کے کچھ واقعات کے بارے میں ہے۔

اوکاڑہ ملٹری فارم مزارعین کی حق ملکیت کی جدوجہد سے ہمارا تعلق 2001 میں بنا۔ ان کا ساتھ دینے کا عزم کیا گیا۔ عاصمہ جہانگیر کو تفصیل سے اس جدوجہد کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔

عاصمہ کا اوکاڑہ فارمز کی خواتین کی جانب سے شاندار استقبال

وہ اکاڑہ ملٹری فارمز گئیں تو ان کا بھرپور استقبال کیا گیا۔ مزارع عورتیں پیش پیش تھیں۔ ان کو بتایا گیا کہ ملٹری فارمز انتظامیہ ہمارے مزارع کا درجہ تبدیل کر کے ہمیں ٹھیکے دار بنانا چاہتی ہے تا کہ بعدازاں ہمیں بے دخل کیا جا سکے۔

مزارعین نے مالکی یا موت کی تحریک کا آغاز کیا اور ملٹری فارمز انتظامیہ نے ان کے دیہاتوں کا گھیراؤ کیا۔ یہ جنرل مشرف کا دور تھا۔ اس کے خلاف کوئی بڑی تحریک نہ تھی۔ مزارعوں نے اس تحریک کا آغاز کیا تو مزارع عورتیں پیش پیش تھیں۔ انہوں نے ایک'' تھاپا'' فورس بنائی ہوئی تھی جو ہاتھوں میں کپڑے دھونے والے تھاپے اٹھا کر پولیس کی دو تین دفعہ خوب دھلائی کر چکی تھیں۔ عاصمہ جہانگیر ان کسان عورتوں کی جدوجہد سے بہت متاثر تھیں۔

گھیراؤ کے تین مہینوں کے دوران عاصمہ جہانگیر نے پرویز الٰہی جو اس وقت وزیر اعلیٰ تھے سے ایک وفد کی صورت میں ملنے کا منصوبہ بنایا، تا کہ ان مزارعین کی مدد کا کوئی طریقہ نکالا جائے۔ وفد میں سلیمہ ہاشمی، ڈاکٹر مبشر حسن اور دیگر کے ساتھ میں بھی شامل تھا۔ ہم انہیں ان کے دفتر میں ملے، ان کو بتایا گیا کہ یہ زمین پنجاب حکومت کی ہے مگر قبضہ ملٹری کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر یہ سمجھو کہ اس زمین کی مالک فوج ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ کی ملاقات جنرل حسین مہدی سے کراتا ہوں۔

عاصمہ کے دبنگ انداز پر جنرل حسین مہدی ہکا بکا

ہم دوسرے روز جنرل حسین مہدی کے دفتر رینجرز ہیڈ کوارٹر پہنچے تو انہوں نے ان چند مزارعین کو بلایا ہوا تھا جو ملٹری فارمز والوں کے ساتھ تھے۔ عاصمہ نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔ عاصمہ نے جنرل حسین مہدی کو کہا کہ اگر بات سننی ہے تو ٹھیک ورنہ ہم واپس جاتے ہیں۔ میں مزارعین کے خلاف باتیں نہیں سننے آئی بلکہ مزارعین کے خلاف آپ کے اقدامات پر بات کرنے آئی ہوں۔ جنرل صاحب ہکا بکا رہ گئے۔ پھر ان چند مزارعین کو باہر نکال دیا جو فوجی ایما پر وہاں آئے تھے۔ حسین مہدی سے کوئی دو گھنٹے بات ہوئی۔ انہوں نے کچھ باتیں مانیں اور کچھ سے انکار کیا۔

یہ ساری گفتگو میں نے ڈان کے رپورٹر محمد امجد کو بتائی جنہوں نے اگلے روز ڈان میں ساری تفصیل شائع کر دی۔ پھر اسی روز عاصمہ کا مجھے فون آیا۔'' یہ ڈان کو خبر کس نے دی ہے؟'' میں نے انہیں بتایا

کہ میں نے ڈان سے بات کی تھی۔ عاصمہ نے مجھے خوب ڈانٹا اور کہا یہ خبر ابھی نہیں دینی تھی۔ میں نے کہا کہ مستقبل میں احتیاط کروں گا۔

عاصمہ کا مزارعین کو 'سرنڈر' کا مشورہ

اوکاڑہ کے دیہاتوں کا گھیراؤ جاری تھا۔ پنجاب بھر سے پولیس اوکاڑہ میں تھی۔ مشرف آمریت کو کسانوں کی بغاوت کا سامنا تھا۔ عاصمہ کی جنرل سے ملاقات کے نتیجے میں ان کے گھیراؤ میں کچھ نرمی ہوئی۔ چند روز بعد صورتحال پھر بگڑ گئی۔ میں نے اوکاڑہ کا دورہ کیا۔ جنرل حسین مہدی سے ایک اور ملاقات کے بعد واپسی پر عاصمہ کو بتایا کہ فوج ہر صورت اس تحریک کو کچلنے کو تیار بیٹھی ہے۔ وہ مزارعین سے سات سالہ ٹھیکے پر زبردستی دستخط کرانا چاہتے ہیں۔ عاصمہ نے کہا کہ کل پریس کانفرنس کریں گے۔

اگلے روز لاہور پریس کلب میں بھرپور پریس کانفرنس میں عاصمہ نے رحمان صاحب اور میرے ہمراہ مزارعین کو 'سرنڈر' کرنے کی تلقین کی تا کہ مزید خون خرابہ سے بچا جا سکے۔ انہوں نے اس سے اگلے روز خود اوکاڑہ جانے کا اعلان کر دیا۔ یہ خبر ڈان نے بڑی نمایاں شائع کی تو مجھے ایک کرنل سلیم کا دھمکی آمیز فون آیا۔'' تمہیں پتہ ہے کہ 'سرنڈر' کے معنی کیا ہیں'' کرنل سلیم نے مجھ سے پوچھا۔ میرا جواب تھا کیا کچھ یاد آیا؟ کیا یہ آپ کر بیٹھے ہو؟ کیا ہم نے کوئی دکھتی رگ پر پاؤں رکھا ہے؟

جب عاصمہ اوکاڑہ ملٹری فارمز پہنچیں تو فوجیوں اور پولیس نے ان کا گھیراؤ کر لیا اور اپنے حصار میں ان کو مزارعین کو 'سرنڈر' کرتے دکھایا۔ مزارعین نے ان کی بات مان کر سات سالہ ٹھیکے پر دستخط کرنے کا اعلان کیا۔ اور عاصمہ وہ دستخط کرنے والی تقریب کو قریب سے دیکھتی رہیں۔

پھر انہیں اوکاڑہ بدر کیا گیا۔ اور شہر سے باہر چھوڑ آئے۔ واپسی پر انہوں نے بتایا کہ ان دستخطوں کی کوئی قانونی یا اخلاقی حیثیت نہیں۔ یہ زبردستی لیے گئے ہیں۔ آمریت کے خاتمے سے یہ دم توڑ جائیں گے۔

چند مہینوں میں مزارعین کی تحریک نے اس معاہدے کو ماننے سے یکسر انکار کرتے ہوئے زمینوں پر اپنا کنٹرول جاری رکھا۔

اوکاڑہ کے مزارعین کی یہ تحریک اب بھی جاری ہے۔ جو کام فوجی آمریت کے دوران نہ ہوا، وہ میاں نواز شریف کے دور میں ہو گیا۔ یہ وہ میاں نواز شریف ہیں جنہوں نے مشرف دور میں ایک سات صفحے کا بیان مزارعین کے حق میں جاری کیا اور وعدہ کیا کہ جب وہ اقتدار میں آئیں گے تو یہ زمینیں مزارعین کے نام کر دی جائیں گی۔

جب ہم 2008 میں عاصمہ جہانگیر کے ساتھ میاں نواز شریف اور ان کی پوری ٹیم جن میں میاں شہباز شریف، احسن اقبال، خواجہ آصف، چودھری نثار سب شامل تھے سے ملے۔ رائیونڈ کی یہ ملاقات پاکستان اور بھارت کے درمیان ممکنہ جنگ کو روکنے میں مسلم لیگ قیادت سے اپنا کردار ادا کرنے کی اپیل کرنے کے لئے تھی۔ باہر نکلتے ہی میں نے میاں نواز شریف کو اوکاڑہ بارے اپنا وعدہ پورا کرنے کی یاد دہانی کرائی تو انہوں نے اوکاڑہ مزارعین کی بہت تعریفیں کیں اور کہا کہ وہ وعدہ پورا کریں گے۔ میرا وزننگ کارڈ مانگ کر لیا اور کہا رابطہ کریں گے۔ یہ رابطہ دوبارہ کبھی نہ ہوا۔

عاصمہ جہانگیر آخری دن تک اوکاڑہ مزارعین کا مقدمہ مفت لڑ رہی تھیں۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی عدالت میں انہوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر مزارعین کے رہنماؤں پر غیر انسانی سلوک کی داستان بیان کی اور ہائی سیکورٹی جیل تبدیل کرنے کو کہا۔ چیف جسٹس نے مہر عبدالستار کی بیڑیاں اتارنے کا حکم دیتے ہوئے انہیں جیل میں ان سے ملاقات کی اجازت بھی دی۔

ہم عاصمہ جہانگیر اور عابد ساقی کے ہمراہ ساہیوال پہنچے۔ یہ میرا ان کے ساتھ آخری سفر تھا۔ مہر عبدالستار سے ملاقات نے اس مزارع رہنما کی زندگی کچھ آسان کر دی۔ واپسی پر مزارعین کے گاؤں میں گئے۔ جہاں سینکڑوں مزارع عورتوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔

عاصمہ کی وفات سے دس روز قبل ان کے دفتر میں اوکاڑہ کے وکیل شمشاد کے ساتھ ان سے ملنے گیا تو انہوں نے نور بنی کے علاوہ ملک سلیم جھکڑ کا مقدمہ لڑنے کا بھی وعدہ کیا۔ اور کہا کہ مزارعین کے تمام مقدموں کی پیروی کروں گی۔

عاصمہ کی میراث

پاکستان کی بہادر ترین بیٹیوں میں سے ایک عاصمہ جہانگیر کی اچانک موت کو ٹھیک ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔

وہ انسانی حقوق اور جمہوری اقدار پر عزم محافظ، پسماندہ طبقے کی کے حقوق کی علمبردار اور رجعت پسند قوتوں کی سخت مخالف تھیں، اور وہ ساری زندگی حق کے لیے جدوجہد کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ آج بھی، درحقیقت بالخصوص آج، ان کی آواز کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

یہ بات حقیقت ہے کہ انسانی حقوق کے کارکنوں کو خاموش کرنے، میڈیا کی زبان بندی، اور ایک محدود قومیت پرستی کے فروغ کی حالیہ مہم عاصمہ کو خوفزدہ نہ کر پاتی۔

وہ بہت کم عمری میں مزاحمتی سیاست میں شامل ہوگئی تھیں؛ ایک نوجوان خاتون کے طور پر، انہوں نے جنرل یحیٰ خان کی مارشل لاء حکومت کا مقابلہ کیا تا کہ وہ اپنے والد، جو سماجی کارکن تھے، کو جیل سے رہا کرا سکیں۔ انہوں نے اس کے بعد آنے والے فوجی آمر کے لیے بھی مشکلات پیدا کیں، انہوں نے سڑکوں پر مزاحمت کی اور عدالتوں میں اس کے عورت سے نفرت پر مبنی لاتعداد فتووں اور لوگوں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف جدوجہد کی، ایسی خلاف ورزیاں جو غیر جمہوری قوتوں کے غلبے کی عکاسی کرتی ہیں۔

سویلین حکومتیں بھی ان کی انصاف کی غیر مصالحانہ فہم سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ جب پی ایم ایل- این کی سابق حکومت نے 'ناقص ٹرائل' کے بعد حزب اختلاف کے دو سیاست دانوں کو پھانسی دینے پر بنگلا دیش کو تنقید کا نشانہ بنایا تو انہوں نے فوراً اسے دہرا معیار قرار دیا چونکہ اس نے ان غیر منصفانہ ٹرائلز پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی جن میں پاکستان کے اپنے شہریوں کو موت کی سزا سنائی جا رہی تھی، ان کا اشارہ کسی حد تک فوجی عدالتوں کی طرف تھا۔ عاصمہ کی ہمت اور ناقابل تسخیر عزم ایک طرف، یہ ان کی انصاف کی حس تھی جو ان تمام لوگوں کے لیے تحریک کا باعث بنی رہنی چاہئے جو مساوی معاشرے کا قیام چاہتے ہیں۔

ان کا ماننا تھا کہ انفرادی آزادیوں کا ہر قیمت پر تحفظ کرنا ہوگا۔ ان پر غدار دین اور غدار وطن، جو تعصب پسندوں اور انتہا پسند قوم پرستوں کے پسندیدہ القابات رہے ہیں، کے لیبل لگائے گئے مگر وہ خوفزدہ نہ ہوئیں۔ جب اس وقت کے وزیر اعظم کے داماد نے ایک ستم زدہ مذہبی اقلیت کے خلاف قومی اسمبلی میں نفرت انگیز تقریر کی اور تمام اراکین انہیں خاموشی سے برداشت کرتے رہے تو یہ عاصمہ ہی تھیں جنہوں نے ان کی نفرت انگیز تقریر پر ان کی مذمت کی۔

جب لاہور ہائی کورٹ نے میڈیا کو ایم کیو ایم کی سرگرمیوں کی

کوریج سے روک دیا تو یہ عاصمہ ہی تھیں جنہوں نے پارٹی کے قائد الطاف حسین کی نمائندگی کی۔ ایسا کرتے ہوئے وہ جمہوریت کے ایک بنیادی اصول یعنی تقریر کی آزادی کا دفاع کر رہی تھیں جس کے ایم کیو ایم سمیت سب حقدار ہیں، اس بات سے قطع نظر کہ وہ کس قسم کی سیاست کرتے ہیں۔

انہوں نے اس اصول پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا چاہے انہیں وکلاء برادری کے ایک حصے کی جانب سے ملامت کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑا۔ عاصمہ نے ارباب اختیار کے سامنے سچ بولا، اور ہمیں ان کی میراث کو جاری رکھنا ہوگا۔

(انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ ڈان)

کامریڈ محمود بٹ آج اپنی جدوجہد کا سرخ پرچم اپنے ساتھیوں کے ہاتھ تھما کر ایک شان اور دھج سے انھیں الوداع کہہ گئے

ربیعہ باجوہ

بائیں بازو کے ان سیاسی کارکنوں میں سے تھے جو بائیں بازو کے فلسفے کا ادراک رکھتے اور سماجی مسائل اور معاشرتی تضادات کا حل اپنے نظریات کے حوالے سے تلاش کرتے رہتے تھے۔

اسی بنیاد پر انھوں نے اپنے اردگرد موجود محروم طبقات کے اندر نہ صرف سیاسی شعور کی بیداری کی جنگ آخری سانس تک جاری رکھی بلکہ محدود وسائل کے اندر مسائل میں گھرے مزدور ساتھیوں کی مشکلات حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

کامریڈ محمود بٹ کے ساتھ میری جان پہچان تو غالباً 1997/98 سے تھی مگر زیادہ قریبی ساتھ 2003 سے شروع ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب میں نے اپنی ہائی کورٹ کی وکالت کے اوائل میں بھٹہ مزدوروں کی بازیابی کا ایک کیس کیا اور 28 مزدور جو کہ کئی سالوں سے مالک کی قید میں تھے، انھیں بازیاب کروایا۔

بٹ صاحب بھی اسی نوعیت کے مقدمات کے سلسلے میں میرے ساتھ رابطے میں رہتے اور جلد ہی انھوں نے پاکستان بھٹہ مزدور یونین کی بنیاد رکھی۔

میں پورے وثوق سے کہتی ہوں کہ یہ بھٹہ مزدوروں کے حقوق کے لئے ایک بھرپور سیاسی تحریک تھی جس میں کامریڈ محمود بٹ کا ایک تاریخ ساز کردار رہا جس نے پاکستان میں بھٹہ مزدوروں کو سیاسی طور پر مضبوط اور منظم کیا بلکہ ان میں آواز اٹھانے کا حوصلہ پیدا کیا۔

اگر آج بھٹہ مزدوروں کے کچھ حالات بدلے ہیں تو یہ کامریڈ محمود بٹ کی جدوجہد کے بغیر ناممکن تھا، محمود بٹ بھٹہ مزدروں کی سب سے مضبوط سیاسی آواز تھے۔

ان کی وفات بھٹہ مزدور تحریک کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے۔ محمود بٹ ہنستے مسکراتے انسان دوست کامریڈ، تا حیات انسانی حقوق کی جدوجہد سے وابستہ رہے اور اپنی پارٹی اور یونین کو کامیاب بنانے کے لئے ہر وقت فعال رہتے اور مسائل کا بہادری سے سامنا کرتے ہوئے مقصد کو آگے بڑھاتے رہتے۔

اسی طرح وکلاء تحریک کے دوران سرخ پرچم اور بھٹہ مزدور یونین کی نمائندگی کرتے رہے جس دوران انھیں تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر وہ پوری تحریک میں شامل رہے۔

کامریڈ نے کچھ سال قبل اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد جس طرح اپنی تینوں بیٹیوں کا ساتھ نبھایا اور ان کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا وہ بھی ان کی ترقی پسند سوچ کا عملی پہلو ہے۔

اکر کسی نہ کسی موقع پر وہ اپنی خوش لباس اور با اعتماد بچیوں سے ملاقات کرواتے تو بہت خوشی ہوتی مگر اب دل بہت اداس ہے کہ وہ بچیاں اپنے بہترین دوست اور والدین کے بغیر زندگی کے مسائل کا حل کس طرح تلاش کریں گی۔

اسکے ساتھ یہ ہم سب کی بھی ذمہ داری ہے کہ کامریڈ کے سرخ پرچم اور مزدور تحریک کے ساتھ ان کی با اعتماد بچیوں کا اعتماد قائم رکھیں۔

آج دیگر کامریڈز اور ساتھیوں کے ہمراہ جب ہم محمود بٹ کو الوداع کہنے ان کے گھر گئے تو اداس گلیاں فخر سے گواہی دے رہیں تھیں کہ یہاں زندگی بسر کرنے والا کوئی عام آدمی نہیں بلکہ ایک بڑا آدمی تھا اور کامریڈ محمود بٹ کا پرسکون چہرہ ہم سب سے مخاطب تھا کہ میں نے اپنے حصے کا کام کیا اور جدوجہد کا دیا روشن رکھا اب یہ دیا تمہارے حوالے۔

سرخ سلام کامریڈ محمود بٹ

''چیف صاحب! یہ کام آپ کے کرنے کا نہیں، آپ ان سے دور رہیں'

عاصمہ جہانگیر کی وفات کو ایک سال پورا ہونے پر ساؤتھ ایشیا فری میڈیا ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل امتیاز عالم کے ساتھ گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے کہا کہ امتیاز عالم صاحب اب تو ٹویٹ کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ بولے وہ

ملک کے ہر شہر میں لوگ عاصمہ کے راستے پر چل پڑے ہیں۔ اب ہر جگہ ماورائے عدالت قتل، ماورائے عدالت اِغوا، آزادی اظہار پر پابندی اور صحافیوں کو جبری نکالے جانے پر بات ہو رہی ہے تو یہ اُسی کا لگایا ہوا بیج ہے جس کا پودا ہر جگہ اُگ رہا ہے۔'' پاکستان میں انسانی حقوق کے لیے سرگرم غیر سرکاری تنظیم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے رکن آئی اے رحمان کہتے ہیں کہ انسانی حقوق کے معنی کیا ہیں، یہ کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے، اِس کی وسعت کیا ہے، یہ سب باتیں لوگوں نے عاصمہ جہانگیر سے سیکھیں۔

کیوں بھئی۔ میں نے جواب دیا امتیاز صاحب اب عاصمہ جہانگیر تو رہی نہیں کہ ہم جیسے نوجوان صحافیوں کی ہمت بندھائیں اور مشکل وقت میں ساتھ کھڑی ہوں۔ امتیاز عالم نے جواب دیا کہ عاصمہ جہانگیر کا خلاء تو پورا نہیں کیا جا سکتا، لیکن اب وہ ہر جگہ موجود ہیں۔ عدالت نے فیض آباد دھرنے پر فیصلہ دے دیا ہے۔ تمام آئینی اداروں کو اپنی قانونی حد میں رہنا چاہیے تاکہ لوگوں کا ردِعمل نہ آئے۔

امتیاز عالم نے مزید کہا کہ عاصمہ صرف آئین اور قانون کی عملداری چاہتی تھیں اور تم بھی ٹویٹ کرتے وقت ایک بات ذہن میں رکھنا کہ ریاستی اداروں کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں ہے۔

''ملک کے ہر شہر میں لوگ عاصمہ کے راستے پر چل پڑے ہیں۔ اب ہر جگہ ماورائے عدالت قتل، ماورائے عدالت اِغوا، آزادی اظہار پر پابندی اور صحافیوں کو جبری نکالے جانے پر بات ہو رہی ہے تو یہ اُسی کا لگایا ہوا بیج ہے جس کا پودا ہر جگہ اُگ رہا ہے۔'' پاکستان میں انسانی حقوق کے لیے سرگرم غیر سرکاری تنظیم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے رکن آئی اے رحمان کہتے ہیں کہ انسانی حقوق کے معنی کیا ہیں، یہ کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے، اِس کی وسعت کیا ہے، یہ سب باتیں لوگوں نے عاصمہ جہانگیر سے سیکھیں۔ وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے آئی اے رحمان کہتے ہیں کہ عاصمہ نے اپنا کام عورتوں کی وکالت سے شروع کیا جو جلد عورتوں کی نمائندگی میں بدل گیا۔ آئی اے رحمان نے بتایا کہ انہوں نے عاصمہ کے ساتھ بہت سال کام کیا اور صرف ایک بات سیکھی کہ وہ حق کے لیے کھڑی ہو جایا کرتی تھیں، کسی کے رعب میں نہیں آتی تھیں۔

''اُنہوں نے کبھی مارشل لاء کو قبول نہیں کیا۔ جمہوری اقدار کی ہمیشہ پاسداری کی۔ بڑے سے بڑے حاکم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ دیتی تھیں کہ آپ یہ ظلم نہیں کر سکتے، ہم آپ کو یہ ظلم نہیں کرنے دینگے۔ اُن کی آواز میں اتنی طاقت تھی کہ وہ عدالت عظمیٰ میں کہہ دیتی تھیں کہ یہ کام آپ کے کرنے کا نہیں، یہ سیاسی معاملات ہیں۔ آپ اِن سے دور رہیں۔''

عاصمہ جہانگیر کی بیٹی منیزے جہانگیر کہتی ہیں کہ بطور بیٹی تو وہ انہیں ساری زندگی یاد کرتی رہیں گی اور یہ کمی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ لیکن گزشتہ ایک سال میں اُنہوں نے عاصمہ

جہانگیر کی کمی کو ایک بہادر خاتون کی حیثیت سے بہت شدت سے محسوس کیا ہے۔

وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے منیزے جہانگیر نے کہا کہ بطور صحافی وہ اپنی ماں جیسی آوازوں کو ڈھونڈتی ہیں جنہوں نے ہمیشہ انسانی حقوق، اقلیتوں کے حقوق، جمہوریت، توہین مذہب اور خواتین کے حقوق کی اُس وقت بات کی جب غیرت کے نام پر اُنہیں مارنا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ اُنکی والدہ نے وکلاء کا ساتھ ہر پلیٹ فارم پر دیا، عدلیہ بحالی تحریک میں بھی وہ پیش پیش تھیں۔ منیزے جہانگیر کہتی ہیں کہ اُنکی ماں ہمیشہ امن کی بات کرتی تھیں اور خاص طور پر اُس وقت امن کی بات کرتی تھیں جب پاکستان اور بھارت کی فوجیں لڑائی کے لیے تیار ہوتی تھیں۔

''میری ماں اقلیتوں کو حقوق دینے کی بات کرتی تھیں، اُن کا ساتھ دیتی تھیں، اُن کے لیے لڑتی تھیں جس کے بدلے اُنہیں دھمکیاں ملتی تھیں لیکن نہ وہ کبھی ڈریں اور نہ ہی پیچھے ہٹیں''۔

منیزے جہانگیر کا شکریہ ادا کر کے ابھی مڑا ہی تھا کہ انہوں نے کہا ایک بات اور ''اگر آج اُن کی ماں زندہ ہوتیں تو آج آزادی رائے اور آزادی اظہار پر جو قدغنیں لگ رہی ہیں اِس پر وہ ضرور آواز اُٹھاتیں''۔

(بشکریہ: اردو نیوز)

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے نیچے دی گئی ویب سائٹ پر موجود ہیں

www.hrcp-web.org

عاصمہ جہانگیر، آپ کو بھلایا نہیں جاسکتا

منور علی شاہد

عاصمہ جہانگیر کو بچھڑے ایک سال ہوگیا ہے۔ وہ گزشتہ سال 11 فروری کو اچانک حرکت قلب بند ہوجانے سے لاہور میں انتقال کر گئیں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد عاصمہ جہانگیر کا دنیا کے کونے کونے میں جس دکھ وغم سے ذکر ہوا ہے اس سے علم ہوا ہے کہ عاصمہ کون تھی اور ان کی خدمات کیا تھیں۔ انسانی حقوق کا شعبہ عاصمہ جہانگیر کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہے گا، جب بھی اور جہاں بھی انسانی حقوق کے محافظوں کی کاوشوں کی بات ہوگی وہاں عاصمہ جہانگیر کا نام سرفہرست ہوگا، پاکستان کی بات ہو یا جنوبی ایشیا کی، یورپ ہو یا اقوام متحدہ، ہر جگہ عاصمہ جہانگیر اپنی ایسی ایسی داستانیں چھوڑ آئی ہیں کہ جن کو پڑھ پڑھ کر انسانی حقوق کے کارکن اور تنظیمیں ہمیشہ تحفظ انسانی حقوق کے پرچم کو سربلند رکھنے کے لیے کوشاں رہیں گی اور ان کے نصابوں میں عاصمہ جہانگیر کی جدوجہد سنہرے لفظوں سے لکھی جائے گی۔ عاصمہ جہانگیر کی وفات کو ایک سال ہورہا ہے اور اس گزرے سال میں دنیا بھر میں کہیں نہ کہیں عاصمہ جہانگیر کو یاد کیا جاتا رہا ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ جس طرح کا سوگ عاصمہ جہانگیر کی وفات پر منایا گیا ہے، ویسا دکھ وغم پاکستان سمیت جنوبی ایشیا کی شاید ہی کسی اور شخصیت کا منایا گیا ہوگا۔ عاصمہ جہانگیر نے مرنے کے بعد بھی پاکستان کی عزت وتوقیر میں جو اضافہ کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عاصمہ جہانگیر کی اچانک وفات کے بعد اب پاکستان کے اندر انسانی حقوق، انصاف، مساوات، اور جمہوریت کے تحفظ کی باتیں محض خواب ہی لگتی ہیں۔ عاصمہ جہانگیر مظلوم طبقوں کے تحفظ کے لیے ایک ایسی نسوانی آواز تھی جو بڑے بڑے قدآور اور طاقتور حلقوں کو دبک جانے پر مجبور کردیتی تھی۔ عاصمہ جہانگیر اور لاہور میں واقع ایچ آر سی پی دونوں ہی لازم وملزم تھے، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق ایک آزاد اور خودمختار ادارہ ہے جو انسانی حقوق کے تحفظ اور اس کے فروغ، انصاف کی فراہمی اور جمہوری اقدار کے لیے کئی دہائیوں سے جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں، اس کا ممبر ہونا بھی ایک اعزاز ہے۔ عاصمہ جہانگیر اس ادارہ کے نہ صرف بانیوں میں شامل تھیں بلکہ اس کے وقار، مقام کو بڑھانے اور اس کی اہمیت کو چار چاند لگانے والی صرف عاصمہ جہانگیر ہی تھیں۔ عاصمہ جہانگیر 27 جنوری 1952 کو لاہور میں پیدا ہوئیں تھیں اور 11 فروری 2018 کو لاہور ہی میں حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے اچانک وفات پاگئیں، عاصمہ جہانگیر کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ ان کی وفات پر لکھا جاچکا ہے جس سے ان کی شخصیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف پاکستان بلکہ جنوبی ایشیا سمیت یورپ اور اقوام متحدہ میں بھی اپنی اہلیت وقابلیت کا لوہا منوایا، اقوام متحدہ نے 2018 کا انسانی حقوق کا ایوارڈ عاصمہ جہانگیر کے نام سے منسوب کرکے ان کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور ان کی جدوجہد کو تسلیم کیا، اس سے قبل 2010 میں حکومت پاکستان کی طرف سے ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کو ہلال امتیاز دیا گیا تھا، اس کے علاوہ بھی ان کو انسانی حقوق کے عالمی اداروں کی طرف سے متعدد اعزازات ان کی زندگی میں دیئے جاچکے تھے، رامون میگ عاصمہ جہانگیر کو 1995 میں دیا گیا اس ایوارڈ کو ایشیا کا نوبل ایوارڈ بھی تصور کیا جاتا ہے، دیگر ایوارڈ میں یونیسکو پرائز، فرنچ لیجن آف آنرز اور مارٹن اینیلیز ایوارڈز شامل ہیں۔ عاصمہ جہانگیر اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ادارے کی خصوصی مندوب برائے مذہبی آزادی اور عقائد کے علاوہ مندوب برائے ماورائے عدالت قتل کی حیثیت سے بھی کام کرچکی تھیں۔ سویڈن کی حکومت کا متبادل نوبل پرائز کا ایوارڈ بھی ان کو دیا گیا۔ ان کی کاوشیں ان کی وفات کے بعد زیادہ منظر عام پر آئیں جب دنیا کے کونے کونے میں ان کی یاد میں تعزیتی ریفرنسوں میں ان کی شخصیت پر مقالے پڑھے گئے، میری خوش قسمتی رہی ہے کہ مجھے فرینکفرٹ اور برلن میں عاصمہ جہانگیر کے ساتھ تعلق بارے ذاتی مشاہدات پڑھنے کے مواقع ملے۔ عاصمہ جہانگیر نے پاکستان سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی پہلی خاتون صدر کا اعزاز حاصل کیا، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سربراہ کے طور پر لمبا عرصہ کام کرکے ادارے کی عزت ووقار میں اضافہ کیا اور اس ادارہ نے اپنی بانی سربراہ کی خدمات کے اعتراف کا حق ''عاصمہ جہانگیر کانفرنس 2018'' کی شکل میں چکانے کی کامیاب کوشش کی، لاہور میں منعقد ہونے والی اس تین روزہ کانفرنس میں ملکی دانشوروں، نامور قانون دانوں، وکلاء، وکلاء تنظیموں کے سربراہوں، سیاست دانوں، پارٹی سربراہوں کے علاوہ عالمی اداروں کے درجنوں نمائندوں، سربراہان اور غیر ملکی سفیروں نے شرکت کرکے اپنی تقاریر میں عاصمہ جہانگیر کی خدمات کو غیر معمولی الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ پاکستان کے اندر سے قابل ذکر شخصیات میں اس وقت کے چیف جسٹس ثاقب نثار، چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ، سابق وزرائے اعظم پاکستان، پیپلز پارٹی کے چیئرپرسن بلال زرداری بھٹو، اے این پی کے افراسیاب خٹک، وفاقی وزیر انسانی حقوق شیریں مزاری اور سابق اسپیکر قومی اسمبلی ایاز صادق شامل تھے جبکہ غیر ملکی شخصیات میں یورپی یونین کے صدر اور جرمنی، سویڈین،

آسٹریلیا، بھارت کے سفیروں نے بھی شرکت اور اظہار خیال کیا، اس کے علاوہ مختلف ممالک کے سابق چیف جسٹس صاحبان، عالمی وکلاء اداروں کے سربراہان، قانون دان، شعراء وادبی شخصیات نے شرکت کی، یہ اپنی نوعیت کی منفرد کانفرنس تھی جس میں عاصمہ جہانگیر کی جدوجہد اور کاوشوں کا اجتماعی طور پر اعتراف کیا گیا تھا۔

عاصمہ جہانگیر کی جدوجہد ایسی ہے جس کی بنیاد اسی تعلیم پر ہے جو ہمیں خطبہ جمعۃ الوداع میں ملتی ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ امتیازی قوانین کے علاوہ آپ کی جدوجہد میں بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ، سب کے لیے فوری انصاف کی فراہمی، مساوات، اظہار رائے کی آزادی، خواتین کے حقوق اور حقیقی جمہوریت کا نفاذ قابل ذکر عوامل تھے۔ وہ شہریوں کے مساوی اور بنیادی حقوق کو بہت اہمیت دیتی تھیں اور ان کے تحفظ کے لیے عدالتوں میں خواب گرجا کرتی تھیں، صنفی مساوات کی بہت بڑی علمبردار تھیں اور ان کے مساوی حقوق کے لیے مرتے دم تک جدوجہد کرتی رہیں۔ ان کی شخصیت میں ایک مقناطیسی کشش تھی، ان کی گفتگو میں نرمی لیکن انتہائی مدلل ہوا کرتی تھی، پریس اور اظہار رائے کی آزادی کی بہت بڑی علمبردار تھیں، صحافیوں میں بہت مقبول تھیں۔ عاصمہ جہانگیر نے پاکستان کے اندر انسانی حقوق کی آواز ہر اس طبقے کے لیے بلند کی جن کے حقوق نفرت اور تعصب کی آڑ میں پامال کئے گئے۔ اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر حملوں پر ان کا احتجاج پرامن لیکن بہت شدید ہوا کرتا تھا انہوں نے عوامی جتھوں کے اقلیتوں پر حملوں کے تسلسل پر ہمیشہ سخت تشویش کا اظہار کیا اور ہر حکومت وقت کو ایسے حملوں پر آڑے ہاتھوں لیا اور بھرپور مذمت کرتی تھیں، ان کی وفات پر عالمی نشریاتی اداروں نے جس طرح خراج تحسین پیش کیا وہ پاکستان کے لیے بھی بڑے اعزاز کی بات کی ہے۔ پاکستان کے اندر میڈیا اور جمہوریت کے جس بحران کا اضافہ ہورہا ہے اس کی ایک وجہ شاید عاصمہ کی کمی بھی ہے۔ (بشکریہ: روزنامہ مشرق)

ایچ آر سی پی کے شکایت مرکز کا تجزیہ 2018-19

ایچ آر سی پی کے شکایت مرکز کو 6 اکتوبر 2018 سے 21 مارچ 2019 تک 720 شکایات موصول ہوئیں۔ ان میں سے 94 شکایات محکمانہ معاملات/ انصاف کی فراہمی سے متعلق تھیں۔ ان معاملات میں مختلف حکومتی محکموں کی غیر قانونی مداخلت شامل تھی جیسے کہ اقرباء پروری، رشوت اور مجرموں کا ساتھ دینا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مشاہدے میں آیا کہ حکومتی اور غیر حکومتی اداروں نے کئی مقدمات میں عدالتی احکامات کی پاسداری نہیں کی۔

ایچ آر سی پی کو جو شکایات ملیں ان میں دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ تعداد عورتوں پر تشدد کی شکایات ہیں۔ ایسے واقعات میں زیادہ تر ملزم متاثرین کے اپنے خاندان کے لوگ تھے: زیادہ تر بھائی، والد، خاوند اور سسرالی رشتہ دار۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنجاب نے ابھی تک گھریلو تشدد کے خلاف قانون منظور نہیں کیا۔ جس کے باعث عورتیں کسی پولیس اسٹیشن میں گھریلو تشدد کا مقدمہ درج نہیں کرواسکتیں۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ، حیران کن طور پر، عورتوں کے خلاف تشدد کی زیادہ تر شکایات مردوں نے درج کروائیں۔ شاید اس وجہ سے کہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کی نقل وحرکت انتہائی محدود ہے اور زیادہ تر واقعات میں وہ حکام تک نہیں پہنچ پاتیں جس کے باعث صورتحال مزید خراب ہوجاتی ہے۔ چنانچہ، بدقسمتی سے، عورتوں کو اپنی آواز سنوانے کے لیے اسی 'صنف' پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو ان پر جبر کا سبب ہے۔ عورتوں کا براہ راست شکایت نہ کرسکنے کی دوسری وجہ ان میں تعلیم کی کمی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی درخواست لکھنے کے لیے بھی انہیں اپنے دوستوں یا خاندان کے مردوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

کئی واقعات میں، عورتوں نے بتایا کہ پولیس سٹیشن میں جس درخواست پر انہوں نے دستخط کیے تھے وہ ان کے ایماء پر کسی پولیس اہلکار نے لکھی تھی اور چونکہ وہ پڑھ نہیں سکتیں انہوں نے یہ فرض کر کے اس پر دستخط کردیے یا انگوٹھا لگا دیا کہ درخواست میں وہ تمام تفصیلات موجود ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا تھا۔ مگر کئی واقعات میں، اس کے بالکل برعکس ہوا۔ عورتوں کے خلاف تشدد کو جائز قرار دینے کے لیے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ ان میں زیادہ معروف ہتھکنڈے 'خاندان کی عزت' اور زیادہ بدترین واقعات میں 'مذہب کی توہین' کے الزامات تھے۔ جہاں تک عورتوں کے خلاف تشدد کی اقسام کا تعلق ہے تو ان میں جسمانی، جذباتی یا ذہنی اور جنسی تشدد سمیت دیگر قسمیں شامل ہیں۔

> ایچ آر سی پی کو جو شکایات ملیں ان میں دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ تعداد عورتوں پر تشدد کی شکایات ہیں۔ ایسے واقعات میں زیادہ تر متاثرین کے اپنے خاندان کے لوگ تھے: زیادہ تر بھائی، والد، خاوند اور سسرالی رشتہ دار۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنجاب نے ابھی تک گھریلو تشدد کے خلاف قانون منظور نہیں کیا۔ جس کے باعث عورتیں کسی پولیس اسٹیشن میں گھریلو تشدد کا مقدمہ درج نہیں کرواسکتیں۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ، حیران کن طور پر، عورتوں کے خلاف تشدد کی زیادہ تر شکایات مردوں نے درج کروائیں۔ شاید اس وجہ سے کہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کی نقل وحرکت انتہائی محدود ہے اور زیادہ تر مقدمات میں وہ حکام تک نہیں پہنچ پاتیں جس کے باعث صورتحال مزید خراب ہوجاتی ہے۔

شکایات کے اندراج کے حوالے سے دیہی اور شہری عورتوں میں بہت زیادہ فرق دیکھنے کو ملا۔ دیہاتوں میں چونکہ عورتوں کی نقل وحرکت شہری عورتوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے، ان کی حکام تک رسائی نہیں ہوتی یا پھر حکام مجرموں کا ساتھ دیتے ہیں۔

زیادہ تر شکایات پنجاب سے تھیں جس کی وجہ پنجاب میں عورتوں کو اپنے حقوق کا قدرے زیادہ شعور ہونا اور متعلقہ اداروں کی معلومات ہونا ہے جن تک وہ آسانی سے رسائی کرسکیں۔

یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ عام لوگوں/ پولیس کی زیادتیوں، اور املاک/ ذاتی جھگڑوں میں بھی زیادہ تر متاثرین عورتیں ہی تھیں۔

ایچ آر سی پی کے شکایات مرکز کے خیال میں عورتوں پر تشدد کی شکایات میں کوئی کمی نہیں آئی باوجود اس کے کہ ماضی قریب میں خواتین کے حقوق کے لیے کئی قوانین منظور ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر عورتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ان قوانین سے واقف نہیں ہیں۔ ان قوانین کے نفاذ کے طریق ہائے کار اور نگران اداروں کے فقدان اور عورتوں کی امداد کا کوئی نظام نہ ہونے کی وجہ سے تشدد کا شکار عورتیں کسی قسم کے ریلیف سے محروم ہیں۔

جبری گمشدگیوں سے متعلقہ شکایات میں پچھلے 6 ماہ میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ایچ آر سی پی کے شکایات مرکز کو جبری گمشدگی کی 29 شکایات موصول ہوئیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جبری گمشدگیوں کے زیادہ تر واقعات سندھ اور بلوچستان میں پیش آئے۔

یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ رپورٹ جامع جائزہ پیش نہیں کررہی کیونکہ اس میں کراچی دفتر کے علاوہ ایچ آر سی پی کے صوبائی دفاتر اور ٹاسک فورس دفاتر میں درج شکایات شامل نہیں ہیں۔

اطلاع دینے کا طریقہ

ایچ آر سی پی کو 720 میں سے 289 شکایات ای میل کے ذریعے ملیں۔ ڈاکخانے کے ذریعے 230 شکایات موصول ہوئیں۔ ان شکایات کے اندراج کے حوالے سے جو بڑے مسئلے درپیش آئے وہ یہ تھے کہ شکایت دہندگان کی بڑی تعداد شاید اپنے نام، پتہ اور واقعے کے بارے میں مکمل تفصیلات لکھنا بھول گئی تھی جس وجہ سے رابطہ سازی اور ایکشن لینے میں دشواری پیش آئی۔

شکایات مرکز نے بارہا کہا کہ ایچ آر سی پی کسی قسم کی مالی مدد نہیں کرتا مگر اس کے باوجود دفتر آکر شکایت درج کروانے والے کئی لوگوں نے اس کا تقاضا کیا۔

ایچ آر سی پی کا کردار اور اثر

ایچ آر سی پی کی مداخلت کی وجہ سے جو مثبت نتائج برآمد ہوئے ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔ جگن مزاری نے شکایت کی کہ ضلع راجن پور کے علاقے روجھان میں پنچایت ہوئی جس نے فیصلہ کیا کہ جگن کی دو بیٹیوں ڈاکٹر ریشماں مزاری اور ڈاکٹر ریما مزاری کی شادی پنچایت کے سربراہ کے دو بیٹوں (جو کہ غیر تعلیم یافتہ ہیں) سے کی جائے۔ ایچ آر سی پی نے فوری مداخلت کی اور اس معاملے کو ڈی سی او اور ڈی پی او راجن پور کے نوٹس میں لایا اور وزیر اعلیٰ پنجاب کو بھی شکایت ارسال کی جنہوں نے واقعے کا فوری نوٹس لیا اور جگن مزاری کو سیکیورٹی فراہم کی اور مجرموں کے خلاف قانونی کاروائی کی۔

اس کے علاوہ، ایچ آر سی پی نے قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں، تعلیمی شعبوں، صحت کے شعبوں، صوبائی حکومتوں،

کئی کمیشنوں (جیسے کہ انکوائری کمیشن برائے جبری گمشدہ افراد) اوردفتر خارجہ کو کئی خطوط لکھے اوران محکموں نے مثبت جوابات دیے۔ جہاں ان محکموں سے کوئی جواب نہیں ملا تھا، انہیں یاددہانی کے خطوط بھی بھیجے گئے۔

نیٹ ورک

ایچ آر سی پی کے شکایت مرکز نے دیگر غیر سرکاری و سرکاری اداروں کے ساتھ نیٹ ورکنگ کا کام جاری رکھا جو کئی معاملات میں متاثرین کی دادرسی کر رہے ہیں۔

شکایات کی اقسام

- عورتوں کے خلاف تشدد
- عام لوگوں/ پولیس کی طرف سے زیادتیاں
- جائیداد/ ذاتی تنازعے
- محکمانہ معاملات/ انصاف کی فراہمی
- جبری گمشدگیاں
- مالی مدد کی درخواست
- مذہب کی توہین
- سمندر پار پاکستانی
- متفرق ایچ آر پامالیاں
- میرٹ کی خلاف ورزی
- سائبر کرائم
- محنت کشوں کے حقوق
- اقلیتوں کے حقوق
- پناہ کے درخواست گزار
- عورتوں کے حقوق

یہ بات قابل ذکر ہے کہ کوئی ایک واقعہ دو یا دو سے زائد اقسام میں شمار ہوسکتا ہے جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر اقلیتی برادری سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کا اغواء ہوتا ہے تو یہ واقعہ 'اقلیتوں کے حقوق' اور 'جبری گمشدگیوں' دونوں میں شمار ہوگا۔ یہ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی بھی گردانا جاتا ہے۔

اسی طرح، اگر کسی عورت پر جائیداد/ اراضی کے تنازعے پر تشدد کیا جاتا ہے تو یہ 'عورتوں کے خلاف تشدد' اور جائیداد/ ذاتی تنازعات' کی اقسام میں شمار ہوگا اور اگر پولیس مجرموں کا ساتھ دیتی ہے تو یہ عام لوگوں کی طرف سے پولیس کی زیادتی' بھی شمار ہوگی۔

جن علاقوں سے شکایات موصول ہوئیں

I. پنجاب
II. سندھ
III. خیبر پختونخوا
IV. بلوچستان

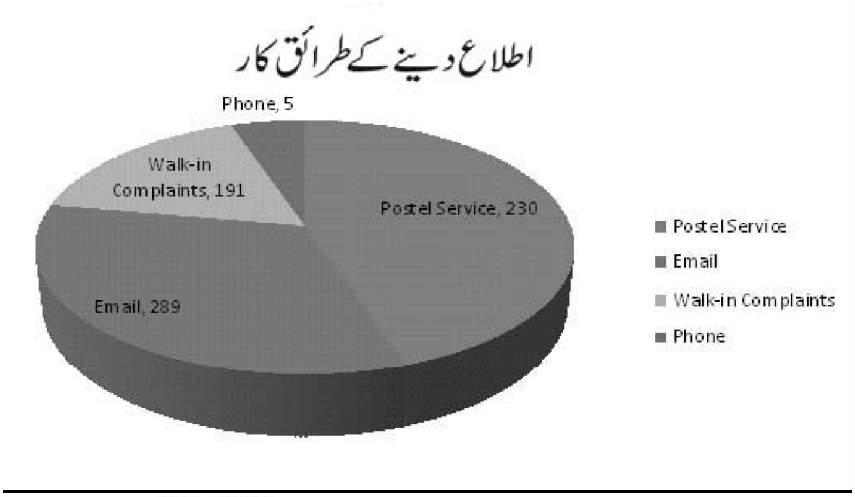

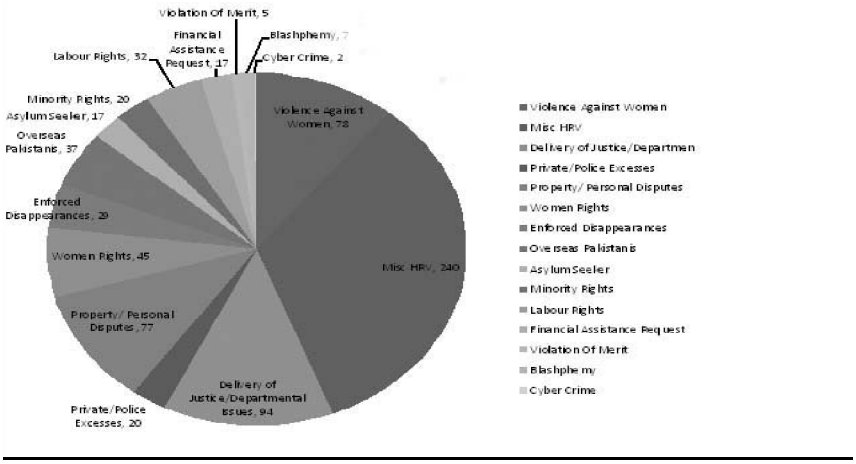

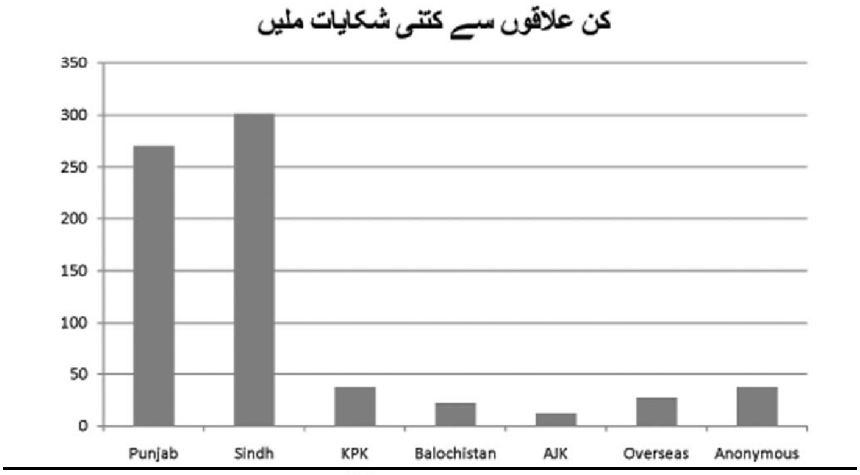

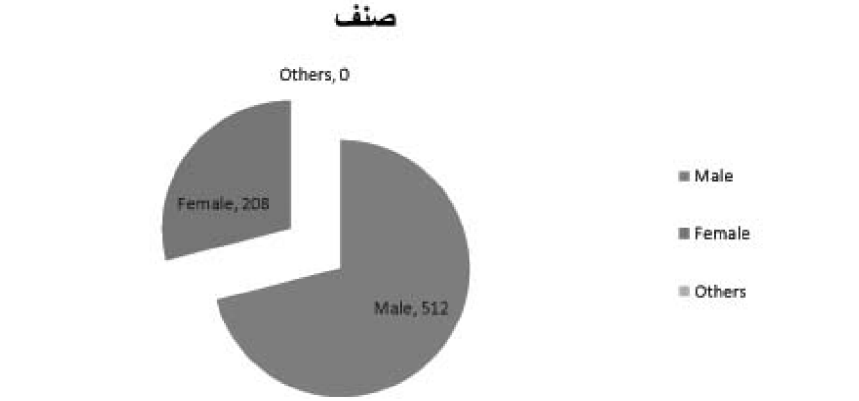

V. آزاد جموں کشمیر

VI. گلگت بلتستان

VII. اسلام آباد

VIII. سمندر پار پاکستانی

IX. جگہ کا ذکر نہیں کیا گیا

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، زیادہ تر شکایت دہندگان اپنی شکایات پر اپنا نام اور پتہ نہیں لکھتے یا وہ لکھنا بھول جاتے ہیں۔ سندھ سے سب سے زیادہ شکایات ملی ہیں۔ پنجاب اس حوالے سے دوسرے نمبر پر ہے اور یہاں سب سے زیادہ شکایات عورتوں کی آئی ہیں۔

صنف

ایچ آر سی پی کو موصول ہونے والی شکایات کی بڑی تعداد کو مرد شکایت دہندگان نے پُر کیا تھا۔ کل شکایات میں سے مردوں کی طرف سے ملنے والی شکایات 512 تھیں۔ عورتوں کی طرف سے ملنے والی شکایات میں اس برس نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ کل 720 شکایات میں 208 عورتوں کی طرف سے بھیجی گئیں۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں مردوں کو عورتوں کی نسبت حکام تک رسائی آسان ہے۔

ایچ آر سی پی کی کاروائی

I. متعلقہ حکام کو خطوط لکھے گئے

II. معذوری کا اظہار کیا گیا

III. ایچ آر سی پی کے مینڈیٹ سے باہر

IV. رابطہ کرنے کے لیے نامکمل معلومات

V. اظہار تشکر کیا گیا

VI. شکایت دہندگان کو رسیدیں بھیجی گئیں

دیگر شکایات مراکز

یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ سرکاری و غیر سرکاری شعبے میں کئی شکایات مرکز قائم ہوئے ہیں جو انسانی حقوق کی مختلف خلاف ورزیوں سے نبٹنے میں کافی مددگار ثابت ہو سکتے ہیں مگر بدقسمتی سے یہ شکایات مراکز اپنے فرائض سے غافل ہیں یا پھر بروقت جواب نہیں دیتے۔ اس کی واضح مثال عورتوں پر تشدد کی روک تھام کے لیے پنجاب حکومت کی طرف سے قائم کردہ کئی شکایات مراکز ہیں۔ مگر یہ اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں مکمل طور پر غیر مؤثر ہیں۔

حکام کا ردعمل

I. ردعمل ظاہر کیا: 25 فیصد

II. کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا: 70 فیصد

III. فالواپ: 5 فیصد

عورتوں نے 1983 کے تاریخی احتجاج کی یاد تازہ کی

لاہور فروری کو لارنس گارڈن میں قائداعظم لائبریری کے باہر درجنوں عورتیں 1983 کے عورتیں کے یادگار احتجاج کی یاد منانے کے لیے اکٹھی ہوئیں۔ انہوں نے نعرے بلند کیے، گیت گائے اور ایک ساتھ بیٹھ کر کئی معاملات پر بحث کی۔ اجتماع کی قیادت خواتین محاذ عمل (ویف) اور طالبعلم کر رہے تھے۔ پاکستان میں 12 فروری کو ملک میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ 1983 کو ان دن، کئی عورتوں نے مال روڈ پر عوامی احتجاجی مظاہرہ کر کے جنرل ضیاء الحق کی فوجی آمریت کو چیلنج کیا۔ وہ احتجاج تمام سیاسی سرگرمیوں، جلوسوں اور عوامی مظاہروں پر پابندیوں کے باوجود ہوا۔ اس تاریخی احتجاج میں حصہ لینے والی فریدہ شہید نے کہا کہ "اس احتجاج کی بنیادی وجہ مجوزہ قانون شہادت تھا جس کی وجہ سے عورت کی گواہی مرد کی گواہی کا نصف رہ جاتی۔ "اس کا اہم محرک عورتوں کے حقوق کو کم کرنے اور انہیں نصف انسان کا درجہ دینے کے لیے آمریت کے کیے گئے اقدامات تھے۔ یہ احتجاج مساوی، منصفانہ اور شفاف جمہوری نظام میں ہر قسم کے جبر اور استحصالی فکر کے خلاف عورتوں کی مزاحمت کا استعارہ بن چکا ہے۔ 1983 کے مظاہرے میں شامل کئی دیگر لوگوں کی طرح محترمہ شہید کو بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔ "دفعہ 144 نافذ کر دی گئی تھی چنانچہ حنا جیلانی نے کہا کہ انہیں دو دو یا تین تین کے گروپ میں ہائی کورٹ پہنچنا چاہیے۔ "انہوں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ "مگر جب ہم ہال روڈ پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پولیس پہلے سے موجود تھی جس نے سڑک کو اپنے حصار میں لے لیا تھا تاکہ ہم آگے نہ جا سکیں۔ "پولیس کی بڑی تعداد کا مطلب تھا کہ ریاست شہریوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار تھی، چنانچہ یہ سب کے لیے ایک بری خبر تھی۔ محترمہ شہید نے کہا "ہال روڈ پر حبیب جالب نے اپنی شاعری پڑھنا شروع کی اور پھر اچانک ہمیں پتہ چلا کہ ڈیموکریٹک ویمن ایسوسی ایشن کی مبارکہ باڑ سے سرک گئیں اور ہمیں بھی ایسا کرنے کا اشارہ کیا۔ "اچانک آنسو گیس کے بادل دکھائی دینے لگے اور پولیس نے شہری مظاہرین پر وحشیانہ لاٹھی چارج کیا۔ کئی عورتوں کو گھسیٹ کر پولیس اسٹیشن لے جایا گیا اور وہاں بند کر دیا گیا۔ انسانی حقوق کی کارکن دیپ سیدہ کالج میں تھی اور دی مال سے گزر رہی تھی اور مظاہرین میں شامل ہو گئیں۔ "میں انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتی تھی، مگر دیکھا کہ لاٹھی کا نشانہ بننے کی وجہ سے مدیحہ (گوہر) کے جسم سے خون بہہ رہا تھا"، انہوں نے بتایا۔ "میں چلا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ان کے خون رسیدہ سر کا خیال بھی رکھ رہی تھی۔ "اگرچہ عورتوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی جو آزادی اور انصاف کے لیے نعرے لگا رہی تھیں، ایک سنجیدہ مسئلہ اب بھی فکر طلب ہے۔ "ان دنوں ریاستی جبر فوجی آمریت کے ذریعے کیا جاتا تھا"، محترمہ شہید نے مزید کہا۔ "آج نام نہاد جمہوری حکومت میں بھی ہماری آزادی چھینی جا رہی ہے اور ہمیں دیوار کے ساتھ لگایا جا رہا ہے۔ "تھیٹر آرٹسٹ اور کارکن تکریمہ نے کہا نوجوان عورتیں اُن دنوں اپنی شناخت اور خواہشات کے زیادہ قریب تھیں۔ " آج اوسط پڑھی لکھی عورت ذمہ داریوں اور خاندان و معاشرے کے دباؤ تلے ہے؛ طالبعلموں کو ایسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکا جاتا ہے جبکہ لڑکیوں کے گھر والے سوچتے ہیں کہ لڑکیوں کی نیک نامی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ "65 سالہ پروین نے عورتوں اور لڑکیوں کی طرف غور سے اور مسکراتے ہوئے دیکھا جو اپنی شناختوں اور مطالبات کے بارے میں بلند آواز اور نہایت صراحت کے ساتھ بول رہی تھیں۔ "مجھے مزید پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔۔۔ کئی دیگر عورتوں کی طرح، مگر تین بچیوں کی پیدائش کے بعد میرا ذہن تبدیل ہوا اور میں نے انہیں تعلیم اور معاشی خودمختاری لینے کی ترغیب دی "، انہوں نے بتایا۔ ویف نے ایک اخباری بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ محاذ مذہبی دہشت گردوں کے خلاف ہمیشہ صف آراء رہے گا جنہیں ریاست نے اپنی سلامتی کے تصور کے تحت پیدا کیا اور ان کی آبیاری کی، ایسے گروہ جو ریاست کو ہر اس وقت اپنے پر تشدد مظاہروں سے یرغمال بنا لیتے ہیں جب پاکستان کو روادار اور ترقی پسند ریاست بنانے کی کوشش ہوتی ہے، وہ جو آئین میں درج بنیادی حقوق پامال کرتے ہیں، عورتوں اور معاشرے کے دیگر محروم طبقوں پر تشدد اور زیادتی کرتے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

سماجی تبدیلی کا بوجھ خواتین پر

غازی صلاح الدین

برطانیہ کے ایک شاعر نے اپنی جوانی کے زمانے میں کراچی میں دو تین سال گزارے۔ یہ سن ساٹھ کی دہائی کے آغاز کے دن تھے۔ اس شاعر نے کراچی کے کسی بازار میں ایک ایسا منظر دیکھا جو اس کے ذہن پر نقش ہو گیا اور جیسا کہ توقع کی جاسکتی ہے اس نے اس تاثر کو ایک نظم میں ڈھال دیا۔ اب یہ دیکھئے کہ بیس سال سے زیادہ عرصے پہلے میں نے پرانی کتابوں کے اب گمشدہ بازار کھوری گارڈن سے انگریزی شاعری کا ایک انتخاب خریدا۔ یہ کتاب دراصل کسی امریکی یونیورسٹی میں انگریزی ادب کے نصاب میں شامل تھی۔ نظموں کی تشریحات بھی تھیں اور سوال بھی پوچھے گئے تھے۔ سو انگریزی ادب کی بڑی شاعری کے ذکر میں یہ نظم بھی شامل تھی۔ میں نے پڑھی تو ٹھٹک سا گیا۔ ایسا لگا کہ جیسے یہ میری دریافت ہے۔ دوستوں کو بتایا اور خاص طور پر ادیب دوست آصف فرخی کو۔ مجھے یاد ہے کہ کسی کے لئے میں نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ادب پڑھنے والے کئی افراد اپنے طور پر اس سے واقف ہوں گے۔

اتنا کچھ کہنے کے بعد اب میں آپ کو بتاؤں کہ وہ نظم کیا تھی۔ یا ہے۔ نظم کا عنوان ہے۔ ''ایک سندھی عورت''۔ شاعر نے یہ دیکھا کہ ایک عورت سر پر بوجھ اٹھائے چلتی چلی جارہی ہے۔ یہ بوجھ کوئی گھڑا یا بڑا مرتبان ہوگا۔ وہ ننگے پیر ہے اور غریب علاقے کے اس بازار کی سڑک پر گندگی بکھری ہے۔ جس بات نے شاعر کو بے حد متاثر کیا وہ اس عورت کا اعتماد، اس کی چال اور اس کا وقار تھا۔ شاعر نے سوچا کہ میری چال میں تو اتنا اعتماد نہیں ہیا اور چھوٹی سی نظم کی آخری دو سطروں میں اپنی بات کہی۔ وہ یہ کہ جنہیں بوجھ اٹھا کر چلنا آتا ہے وہی سر اٹھا کر چل سکتے ہیں۔ یہ شاعر، جان اسٹال وردی، بعد میں ایک معروف نقاد اور شاعر کے طور پر جانا گیا۔ وہ 2014ء میں اپنے انتقال سے پہلے اوکسفرڈ یونیورسٹی میں انگریزی ادب کا پروفیسر بھی رہا۔

اب آپ پوچھیں گے کہ یہ نظم مجھے اس ہفتے کیوں یاد آئی اور میں کس تناظر میں اس کا حوالہ دے رہا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ پیر کے دن ہم نے عاصمہ جہانگیر کی پہلی برسی منائی۔ ایک بے مثال ہستی کو کھو دینے کے دکھ نے ہمارے ذہن اور احساسات میں پھر ایک ہلچل سی مچادی۔ یہ سال بھی کیسا سال تھا۔ ہر قدم پر عاصمہ کی کمی محسوس ہوئی۔ یہ ایک مثال ہے کبھی کبھی کسی ایک فرد کے نہ ہونے سے کتنا فرق پڑسکتا ہے۔ میں اپنے میڈیا کی صورت حال دیکھ کر اکثر یہ سوچتا ہوں کہ عاصمہ ہوتیں تو ہم اتنی بے بسی کا شکار نہ ہوتے۔ بہرحال، آپ نے شاید یہ محسوس کیا ہوگا کہ عاصمہ کی پہلی برسی ہمارے میڈیا میں کافی سنجیدگی اور جذبے کے ساتھ منائی گئی۔ میرے خیال میں اب بہت سے وہ لوگ بھی عاصمہ کی تحریک کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہیں جو پہلے ان کا نام سن

> چند مہینے پہلے جب فہمیدہ ریاض کا انتقال ہوا تو ہم نے جانا کہ ایک خاتون پاکستانی شاعر، افسانہ نگار اور سیاسی کارکن نے روایات کے کتنے بت توڑے تھے اور کس فخر اور اعتماد سے اپنی بات کہی تھی۔ فہمیدہ نے کہا تھا کہ جب ''جاں سے گزرنا ہی ٹھہرا تو سر جھکا کر کیوں جائیں۔ کیوں نہ اس مقتل کو رزم گاہ بنادیں۔'' اور یہ اعلان بھی انہوں نے ہی کیا تھا کہ ''میں آدم نو کی ہم سفر ہوں/ کہ جس نے جیتی مری بھروسہ بھری رفاقت۔''

کرناک بھوں چڑھاتے تھے۔ برسی کے موقع پر ملک کے کئی شہروں میں یادگاری اجتماعات منعقد ہوئے۔ کراچی کی ایک تقریب میں، میں بھی شریک تھا جس کا اہتمام خواتین مجلس عمل نے انسانی حقوق کے پاکستان کمیشن اور آرٹس کونسل کے تعاون سے کیا تھا۔ وہاں یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ عاصمہ کے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا ہیوہ کیسے پر ہوگا۔ جب زہرہ یوسف نے کہا کہ یہ خلا خواتین اپنی اجتماعی جدوجہد کے ذریعے ہی پر کرسکتی ہیں تو مجھے لگا کہ سیاہ بادلوں کے کنارے پر اگر کوئی روشن لکیر ہے تو وہ یہی ہے۔

اب میں اگر یہ کہوں کہ اس ملک کو بچانے کا، اس کی سمت کے تعین کا سارا بوجھ خواتین کے سر پر رکھا ہوا ہے تو آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ میں ''ایک سندھی عورت'' کو تمثیل بنا کر کیوں پیش کررہا ہوں۔ ہم بار بار تبدیلی کی بات کرتے ہیں۔ اس تبدیلی کی بھی جس کے غلاف میں بے وفائیوں اور وعدہ خلافیوں کا انبار جمع ہو رہا ہے۔ لیکن اس عہد کی تاریخ یہ گواہی دے رہی ہے کہ معاشرے میں تبدیلی کا سب سے بڑا ثبوت عورتوں کی حیثیت میں تبدیلی ہی ہوتا ہے۔ ترقی، سماجی انصاف اور جمہوری آزادی کا سفر بچیوں کے پرائمری اسکول سے شروع ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی کی تحریک کے رہبر ہونے کی حیثیت سے عاصمہ کی اہمیت صرف اس لئے نہیں تھی کہ وہ ایک خاتون تھیں۔ لیکن وہ ایک خاتون تو تھیں اور ان کی مثال خصوصی طور پر خواتین کے دلوں کو گرما سکتی ہے۔ پھر یہ دیکھئے کہ قدامت پرستی اور روایات کا ظلم سہنے والی پاکستانی عورت بھی قید سے رہائی مانگ رہی ہے۔ اپنا سر اٹھانے کی کوشش کررہی ہے۔ اس کی کئی مثالیں ہیں اور ملالہ سے بڑی کوئی مثال تو دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اب یہ پاکستانی معاشرے کا امتحان ہے کہ وہ کب ملالہ کو اپنی بیٹی تسلیم کرے گا اور اس پر فخر کرے گا۔

یہ ایک تفصیل طلب داستان ہے کہ کیسے سماجی تبدیلی کا سارا بوجھ خواتین ہی کو اٹھانا پڑتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ سماج کی ساری بندشوں کے باوجود، اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ہماری لڑکیوں نے لڑکوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یہ ذہنی صلاحیتوں کی بارآوری کا عہد ہے اور خواتین اس میدان میں برابری ہی نہیں بلکہ سبقت لے جانے کی اہل ہیں۔ ''می ٹو'' کی تحریک کے بعد مغرب اور خاص طور پر امریکہ میں جو شیلی خواتین خم ٹھونک کر سیاست اور عملی زندگی کے اکھاڑے میں اتر رہی ہیں۔ چند مہینوں پہلے امریکہ کے ایوان نمائندگان کے انتخابات میں پہلی بار خواتین کی ایک بڑی تعداد نے کامیابی حاصل کی اور ان میں دو مسلمان خواتین بھی ہیں۔ ایوان کی اسپیکر نینسی پلوسی امریکی سیاست کی سب سے طاقتور خاتون ہیں اور رتبے کے لحاظ سے صدر ٹرمپ کے بعد ان کا دوسرا نمبر ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ خواتین کی بیداری کی یہ لہر پاکستان میں بھی اٹھ رہی ہے۔ مثال کے طور پر پشتون آبادی میں بہت کم خواتین گھر سے باہر نکلتی ہیں۔ اب میں صرف گلالئی اسمٰعیل کا نام لے کر آگے بڑھ جاؤں گا۔ چند مہینے پہلے جب فہمیدہ ریاض کا انتقال ہوا تو ہم نے جانا کہ ایک خاتون پاکستانی شاعر، افسانہ نگار اور سیاسی کارکن نے روایات کے کتنے بت توڑے تھے اور کس فخر اور اعتماد سے اپنی بات کہی تھی۔ فہمیدہ نے کہا تھا کہ جب ''جاں سے گزرنا ہی ٹھہرا تو سر جھکا کر کیوں جائیں۔ کیوں نہ اس مقتل کو رزم گاہ بنادیں۔'' اور یہ اعلان بھی انہوں نے ہی کیا تھا کہ ''میں آدم نو کی ہم سفر ہوں/ کہ جس نے جیتی مری بھروسہ بھری رفاقت۔''

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

یہ عمارتِ کہنہ ٹوٹ بھی تو سکتی ہے

زاہدہ حنا

ہم میں سے کسی کے لیے بھی یہ کوئی نئی خبر نہیں کہ ملک سے باہر چلے جانے والے بعض خاندان اپنی روایات کو بچانے کے لیے اپنی بیٹیوں کی شادیاں پاکستان میں ہی کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے ہر حد و انتہا سے گزر جاتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر واقعات انگلستان میں جا کر آباد ہونے والے ان خاندانوں سے متعلق ہیں جن میں سے زیادہ تر دیہی پس منظر رکھتے ہیں۔ تمام افرادِ خانہ مل کر اپنی پڑھی لکھی بیٹیوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی ڈگریوں کو چولہے میں جلا کر ان سے اپنی میت نہلانے کے لیے پانی گرم کریں۔ اپنے باپوں، بھائیوں اور چچاؤں کی عزت کی قربان گاہ پر خاموشی سے قربان ہو جائیں۔

ایک نہیں، دو نہیں، چار نہیں، المناک واقعات کے انبار ہیں جن سے لہو رستا ہے۔ کبھی باپ اور بھائی نے یقین دلایا، تم گھر واپس تو چلو وہاں سب تمہاری راہ دیکھتے ہیں، تم جو چاہو گی، وہی ہوگا۔ کبھی دادی اور ماں ان پر واری صدقے گئیں کہ مجال ہے جو کوئی تمہاری طرف میلی آنکھ سے دیکھے۔ وہ جب خون کے رشتوں سے ملنے کی چاہ میں واپس آئیں تو کسی سیم تن کے ٹکڑے کیے گئے اور اسے وطن کی مٹی میں دفن کر دیا گیا۔ کوئی اپنے مسلمان شوہر اور بچے کو گھر والوں سے ملانے لائی تو ان سب کو خاک میں ملا دیا گیا۔ تمہاری یہ ہمت، یہ جرات کہ اپنی پسند کا برتلاش کرو۔ لاکھ وہ مسلمان ہو، شریف و نجیب ہو لیکن ہمارا انتخاب تو نہ تھا۔

ہماری شاعرات نے کیسی کیسی دل دوز نظمیں لکھیں۔ زہرا نگاہ اور کشور ناہید سے عطیہ داؤد اور فاطمہ حسن تک سب ہی نے خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر غیرت کے نام پر قتل ہونے والیوں کے مرثیے لکھے۔ نسیم سید نے لکھا:

بات بے بات یہ طعنہ یہ ملامت کیا ہے
یہی ہوتی ہے محبت تو... عداوت کیا ہے
کروٹیں لیتا ہے ہر درد تیرا صبح تلک
چاندنی رات سے اے دل تجھے وحشت کیا ہے
ایک اس کے لیے کتنوں سے برائی لے لی
اب خدا جانے اسے مجھ سے شکایت کیا ہے
اک یقیں کی ہے حرارت کہ کوئی ہے اپنا
اور اس کے سوا جسموں میں حرارت کیا ہے
جب زمینوں سے نئی کوئی تعلق ہی نہیں
کوئی پوچھے ہمیں ہجرت کی ضرورت کیا ہے

یہ بھی نسیم نے لکھا:

میں...
اگر جاں کی امان پاؤں...
تو کچھ عرض کروں...
بے سبب آپ جو رہتے ہیں پریشان سے کچھ
جیب میں رکھتے ہیں
تعزیر کے سامان سے کچھ
حبس میں تازہ ہواؤں کو چنا کرتے ہیں
فاختاؤں کے لیے
جال بنا کرتے ہیں
میں تو حیران ہوں
کیا آپ کو اندازہ نہیں
خوش نمو
حبسِ زمیں سے بھی نمو لیتا ہے
دام کا خوف بھی...
پرواز بڑھا دیتا ہے

ایسی ہی لڑکیوں کے لیے فہمیدہ ریاض نے آج سے 4 دہائیوں پہلے لکھا:

سنگدل رواجوں کی
یہ عمارتِ کہنہ
اپنے آپ پر نادم
اپنے بوجھ سے لرزاں
جس کا ذرّہ ذرّہ ہے
خود شکستگی ساماں
سب خمیدہ دیواریں
سب جھکی ہوئی کڑیاں
سنگدل رواجوں کے
خستہ حال زنداں میں!
اِک صدائے مستانہ!
ایک رقصِ رندانہ!
یہ عمارت کہنہ ٹوٹ بھی تو سکتی ہے
یہ اسیر شہزادی چھوٹ بھی تو سکتی ہے

ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ یہ لڑکیاں اگر بروقت دہائی دیں تو برطانوی ہائی کمیشن ان کی مدد کو پہنچتا ہے۔ برطانوی وزارت خارجہ اپنے افسروں کو پاکستان بھیجتی ہے اور ان لڑکیوں کو ظلم و ناانصافی کے چنگل سے چھڑانے کی اپنی سی کوشش کرتی ہے۔ انگلستان میں ان کے اہل خانہ پر جرم ثابت ہو جائے تو وہ گرفتار ہوتے ہیں اور سزا کو بھی پہنچتے ہیں۔ پاکستان میں برطانوی ہائی کمیشن اور وزارت خارجہ کے افسران کے دباؤ پر پاکستانی حکام کو بھی کچھ نہ کچھ کارگزاری دکھانی پڑتی ہے۔

ان اندوہناک واقعات کے پیچھے ایک اور مسئلہ بھی ہے جس سے وہ لڑکیاں دوچار ہوتی ہیں جو برطانوی سرکار کی کوششوں سے بچ جاتی ہیں۔ اس بارے میں بنجمن ملر کی ایک رپورٹ نظر سے گزری جس سے ان پریشان حال لڑکیوں اور عورتوں کی مالی مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے۔

دراصل یہ واقعات اتنے تواتر سے ہوئے کہ حکومت برطانیہ کو

> تمام افرادِ خانہ مل کر اپنی پڑھی لکھی بیٹیوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی ڈگریوں کو چولہے میں جلا کر ان سے اپنی میت نہلانے کے لیے پانی گرم کریں۔ اپنے باپوں، بھائیوں اور چچاؤں کی عزت کی قربان گاہ پر خاموشی سے قربان ہو جائیں۔

اندازہ ہوا کہ یہ معاملات اس کے خزانے پر بار ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے یہ طے کیا کہ ایسے قضیوں کو نمٹانے کے بعد اس صورتحال سے دوچار ہر لڑکی کو پابند کیا جائے کہ وہ ایک ہزار ڈالر چھ مہینے میں ادا کرے گی۔ وہ لڑکیاں جو کہیں کام نہیں کر رہیں، پریشان ہیں کہ حکومت کہیں ان کے یونیورسٹی کے قرض سے یہ رقم نہ کاٹ لے۔

یہ خبر موقر برطانوی اخباروں میں شایع ہوگئی جس کے بعد برطانوی پارلیمنٹ میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ 2017ء میں 27 لڑکیوں کو واپس انگلستان لایا گیا تھا جب کہ 2016ء میں ان کی تعداد 55 تھی۔ ٹائمز آف لندن کا کہنا ہے کہ ان لڑکیوں میں سب سے زیادہ تعداد پاکستانی لڑکیوں کی ہے۔

پارلیمنٹ کے ممبروں اور اس مسئلے پر کام کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ لڑکیاں جو خود مسائل کی دلدل میں ہیں، وہ ایک برطانوی شہری کے طور پر حکومت برطانیہ سے مدد نہ مانگیں تو کس کے پاس جائیں۔ حقوق انسانی کی تنظیمیں حکومت کے اس رویے پر معترض ہیں۔ صرف پاکستانی لڑکیاں ہی اس مشکل میں گرفتار نہیں ہیں۔ صومالیہ سے تعلق رکھنے والی 4 مسلمان عورتوں کا مسئلہ بھی برطانوی حکومت کے لیے دردِ سر ثابت ہوا۔ انھیں صومالیہ کے انتہا پسندوں نے پکڑ کر قید کر لیا جہاں وہ زنجیروں سے باندھ کر رکھی گئیں، انھیں روزانہ کوڑے لگائے جاتے اور کہا جاتا کہ وہ ان کے ساتھیوں سے شادی کر لیں۔

برطانوی دارالعوام میں ان دنوں اس مسئلے پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ بیشتر اراکین کے خیال میں حکومت کو اس بارے میں دردمندی سے غور کرنا چاہیے۔ برطانوی اخبارات بھی ان لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ ہیں جن کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں اور اگر ان کو سرکار کی طرف سے ملنے والی یونیورسٹی فیس سے ان ہزار ڈالروں کی قسط وار کٹوتی شروع ہو جائے تو انھیں فاقہ کشی جیسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔

گھر والوں کی نامہربانیاں، جان کو لاحق خطرات اور بچ کر محفوظ ماحول میں واپس آ جائیں تو یہ مسائل، یہ لڑکیاں کس عذاب میں ہیں اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سوچنے کی بات صرف اتنی سی ہے کہ بیٹیوں کے ساتھ اتنا نامہربان بلکہ ظالمانہ رویہ گھر والوں کی کیسی تصویر کشی کرتا ہے، کچھ تو وہ سوچیں۔

(بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس)

ہونہار طالبہ سے بھکاری تک: "نفرت کبھی ختم نہ ہوئی" ایک خواجہ سرا عورت کے طور پر نوشی کا سفر

فیضان احمد

" آپ اپنا مشغلہ تبدیل کر سکتے ہیں مگر آپ اپنی فطرت نہیں بدل سکتے۔ اگر کوئی آپ کو زنانہ لباس پہننے کے بدلے دس ہزار روپے کی پیشکش کرے تو شاید آپ وہ لباس نہ پہنیں۔ مگر وہی لباس میری دوسری فطرت ہے۔ میں یہ ہر روز پہنتی اور اسے پسند کرتی ہوں۔ اس سے بطور انسان میری عزت میں کوئی کمی نہیں آتی، کیا آتی ہے؟"

ایک 45 سالہ خواجہ سرا عورت نوشی جو پہلے فرخ نعیم کے نام سے جانی جاتی تھیں، کے ساتھ میری گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح سے ہوا۔

1970 کی دہائی میں شاہدرہ ٹاؤن لاہور میں پلنے بڑھنے والی نوشی اپنی جماعت میں ایک لائق طالبعلم کے طور پر مشہور تھیں۔

"اسکول میں میں ایک ہونہار طالبہ تھی، دیگر ہم جماعتوں سے ہمیشہ آگے رہتی تھی اور بہت اچھے گریڈ لیتی تھی۔ میٹرک میں، میں نے سائنس کا مضمون پڑھنے کا فیصلہ کیا اور 80 فیصد نمبر لے کر جماعت میں اور اپنے ٹاؤن میں پہلی پوزیشن لی۔

نوشی نے بتایا کہ ان دنوں ٹیوشن کا کوئی تصور نہیں تھا، یہاں تک کہ حساب کے فارمولوں کو بھی وضاحت کے ساتھ پیش نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر کسی طالبعلم کا کوئی سوال ہوتا تھا تو اسے خود ہی اس کا جواب ڈھونڈنا ہوتا تھا، اور اسے اس کام میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔

میٹرک کے بعد، انہوں نے میو ہسپتال لاہور سے میڈیکل ڈسپنسر کا ڈپلومہ لینے کے لیے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب نوشی نے اپنے والدین کو بتایا کہ وہ کبھی بھی مرد نہیں تھی اور اس نے اپنی شناخت ایک خواجہ سرا عورت کے طور پر کروائی۔ وہی موقع تھا جب دنیا نوشی کے لیے تبدیل ہوئی۔

" میرے والدین نے میری اصلی شناخت قبول نہ کی اور انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالنا اور پیٹنا شروع کر دیا کہ میں خاموش رہوں۔ میں جانتی تھی کہ میں مختلف ہوں مگر میری مدد کرنے کے لیے کوئی بھی نہیں تھا۔ میرے باپ نے مجھے پڑھائی جاری رکھنے اور یہاں تک کہ میرے دوستوں سے ملنے جلنے سے منع کر دیا۔ مجھے گھر پر رہنے پر مجبور کیا گیا اور یہاں تک کہ ٹی وی دیکھنے پر بھی پابندی لگ گئی۔ ان دنوں کی داستان سنانے کے لیے کئی راتیں چاہییں۔ زندگی کٹھن تھی اور سب سے بری چیز یہ تھی کہ میرا اپنا خاندان اسے کٹھن بنا رہا تھا۔" نوشی نے گزرے دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہا، "اسے بدلنے کی ضرورت ہے۔"

خودکشی کی ناکام کوشش کے بعد، نوشی نے اپنا گھر چھوڑنے اور ایسی جگہ تلاش کرنے کا فیصلہ کیا جہاں وہ اس حیثیت سے قبول کی جائے جو وہ ہے۔

"وہاں دوسرے لوگ میری اصلی شناخت کی حیثیت سے کم از کم میری عزت تو کرتے ہیں۔ وہاں ایک زندگی اور ایک کمیونٹی تھی جس کا میں حصہ تھی۔ مختصراً، خواجہ سراء برادری کا حصہ بننے کے بعد، زندگی میں پہلی دفعہ مجھے اپنے انسان ہونے پر خوشی محسوس ہوئی۔ بوجھ جسے میں برسوں سے اٹھا رہی تھی بالآخر اتر گیا۔

میں نے نئے دوست بنائے، مگر مجھے اپنے خاندان کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہی۔ مجھ سے میرا خاندان اور میرا بچپن چھن گیا تھا۔ بڑا مسئلہ جو مجھے نئی جگہ پر پیش آیا وہ یہ تھا کہ میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکی۔ اس کی وجہ پیسے نہیں تھے مگر یہ تھی کہ میرے والد نے مجھے میری سابقہ اسناد اور دستاویزات دینے سے انکار کر دیا تھا۔"

نوشی کی تبدیلی کا سفر بالکل ہموار تھا اور اس سفر نے آٹھ برس لیے۔ اب جبکہ یہ سفر مکمل ہو چکا ہے، اس نے بتایا کہ اسے کسی قسم کا کوئی پچھتاوا نہیں اور اس نے کبھی بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کم از کم اس وقت تک جب اسے پتہ چلا کہ اس کی والدہ ادھرنگ (نچلے دھڑ کا فالج) کی مریضہ بن گئی ہیں۔

" میرے گھر کا کوئی فرد میری ماں کے ساتھ نہیں تھا۔ میں اپنے گھر چلی گئی اور والدہ کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ میری تمام بہنیں اور بھائی شادی شدہ تھے اور اس وقت صرف میں ہی تھی جو والدہ کا خیال رکھ رہی تھی۔ میں نے ان کے میلے کپڑے دھوئے، انہیں ریسٹ روم تک لے جاتی تھی، اور آدھی رات کو جاگتی تھی جب وہ پینے کے لیے پانی مانگنے کے قابل نہیں تھیں،" نوشی نے بتایا۔ " اس وقت میرا باپ گھر پر میری موجودگی کو برداشت کر رہا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ مجھے پیار کرتا تھا، بلکہ اس وجہ سے کہ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔"

نوشی کے والد علاقے کے اسکول میں جانے پہچانے استاد تھے۔ نوشی کے گھر واپس آنے پر انہوں نے اس سے کوئی بات چیت نہ کی۔

" میرے والد نے کبھی میری طرف مسکرا کر نہیں دیکھا؛ یہاں تک کہ انہوں نے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ حتیٰ کہ جب میں اپنے لیے چائے بنا رہی ہوتی تھی تو میرے والد گیس بند کر دیتے تھے۔ میرے لیے نفرت کبھی ختم نہ ہوئی۔"

اپنی والدہ کی وفات کے بعد، نوشی واپس خواجہ سراء برادری کے پاس چلی گئی۔ 30 برس کی عمر میں، اس نے اپنی روزی روٹی کے لیے شادی اور سالگرہ کی تقریبات پر ناچ گانا کرنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے اس کی عمر بڑھی، اسے ناچ کا کام ملنا بند ہو گیا اور اس کے پاس بھیک مانگنے کے سوا کوئی اور چارہ

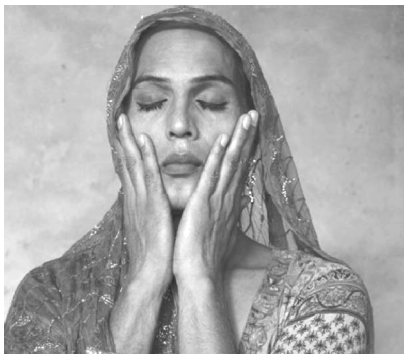

نہ بچا۔

اس وقت نوشی ایک کمرے کے مکان میں رہتی ہے جو ہر اس فرد کے لیے کھلا ہے جو اس سے ملتی جلتی زندگی جی رہا ہے۔۔۔ ایک ایسی زندگی جس میں دکھ اور ڈر کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ نوشی خواجہ سراء برادری کے نوجوانوں کی مشاورت کرتی ہے اور زندگی کے محدود راستوں میں سے اپنا راستہ منتخب کرنے میں ان کی مدد کرتی ہے۔ وہ اپنے جونیئرز کو کہتی ہے کہ وہ خود پڑھیں اور سخت محنت کریں۔

نوشی نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا، " کوئی بھی آپ کی مدد کو نہیں آنے والا جب تک آپ خود اپنے لیے کچھ نہیں کرتے۔"

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خواجہ سراؤں کی دعا یا بددعا قبول ہوتی ہے، اور وہ اس بیک وقت محبت و نفرت کے جذبے کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ کام اس سے مختلف ہے جو بعض لوگ جادو کے استعمال سے کرتے ہیں، کیونکہ وہ کھلے دل کے مالک ہیں، بات چیت کرنے کے لیے دستیاب ہوتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ ایسا نہیں کرتے۔

اول، لوگ انہیں ان کی شرائط پر قبول نہیں کرتے۔ دوم، یہاں تک کہ جو ان کی حمایت میں بولتے ہیں وہ بھی مکمل طور پر بدل جاتے ہیں جب ان کی اپنے خاندان یا برادری سے کوئی فرد خواجہ سراء کے طور پر سامنے آتا ہے۔ نوشی کے خیال میں یہ بنیادی وجوہ تھیں جنہوں نے اسے اپنا گھر چھوڑنے اور ایک نئی زندگی شروع کرنے پر مجبور کیا۔

" اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا " میرے پرانے ہم جماعت کلاس میں جن کی کارکردگی اتنی اچھی نہیں ہوتی تھی جتنی میری ہوتی تھی، ان میں سے بعض سرکاری ملازمت کر رہے ہیں، اور کچھ نجی شعبے میں کام کر رہے ہیں۔"" ہر صبح جب میں اٹھتی ہوں تو میں سوچتی کہ میرے پرانے دوست اپنے دفتروں میں جانے کے لیے تیاری کے لیے اُٹھ رہے ہیں۔۔۔ اور میں، ان کی کلاس مانیٹر، سڑکوں پر بھیک مانگنے کے لیے اُٹھ رہی ہوں، صرف اس وجہ سے کہ میں ان سے مختلف پیدا ہوئی۔"

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ایکسپریس ٹریبون)

دو خوش آئند فیصلے

آئی۔اے۔رحمان

کچھ دن پہلے وزیراعظم نے ملک کے دو سنگین مسئلوں، یعنی جبری گمشدگیوں اور گروی مشقت کا نوٹس لیا۔ انہوں نے جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے اور مجرموں کے خلاف عام عدالتوں میں مقدمات چلائے جانے کے احکامات جاری کیے۔ انہوں نے گروی مشقت کے خاتمے پر بھی زور دیا۔ ان اقدامات کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے۔

گزشتہ 15 سالوں سے جبری گمشدگیاں اس ظلم سے متاثرہ ہونے والے افراد کے خاندانوں کے لیے ناقابلِ برداشت تکلیف کے علاوہ، بنیادی انسانی حقوق کی پامالی، ایذارسانی اور عزت نفس کی بے حرمتی کا بھی باعث بن رہی ہیں، جو متاثرین کا مقدر بن چکا ہے۔

2007 سے 2009 کے دوران سپریم کورٹ کی لاپتا افراد کی بازیابی اور مجرموں کو سزا دینے کی کوششیں ناکام ہونے کے بعد حکومت کو حکم دیا کہ وہ اس مسئلے کے حل کے لیے ایک کمیشن تشکیل دے۔ ہائی کورٹ کے تین سابق ججوں پر مشتمل کمیشن 2010 میں قائم کیا گیا جس نے آٹھ ماہ کے بعد اپنی رپورٹ جمع کرائی۔ اگر موجودہ حکومت ریٹائرڈ ججوں کے کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت اور اس پر عمل درآمد کا آغاز کر دیتی ہے تو یہ ایک اچھا اقدام ہوگا۔

ججوں کے کمیشن کی ایک سفارش کو تسلیم کر لیا گیا جس کے نتیجے میں وزارت داخلہ کے ایک نوٹیفکیشن کے تحت جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن تشکیل دیا گیا جس نے مارچ 2011 میں کام کا آغاز کیا۔ گزشتہ ماہ کے آخر تک، کمیشن کو 5706 کیسز موصول ہوئے تھے اور کمیشن کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان میں سے 3551 کیسز نمٹا دیے تھے (اس کا یہ مطلب نہیں کہ 3551 لاپتا افراد واپس اپنے خاندانوں کے پاس لوٹ چکے ہیں)۔ 31 دسمبر 2018 کو، کمیشن کے پاس اب بھی 2155 کیسز زیرالتوا تھے۔ بدقسمتی سے، جبری گمشدگیوں کی تازہ شکایات اب بھی موصول ہو رہی ہیں اور ان میں سے بہت کم کیسز نمٹائے گئے ہیں۔ گزشتہ سال نومبر میں، تازہ کیسز کی تعداد 111 تھی، جبکہ صرف 57 کیسز نمٹائے گئے تھے۔ دسمبر میں، 98 نئی شکایات موصول ہوئیں اور صرف 59 کیسز کا فیصلہ کیا گیا۔ اس بات کو کبھی بھی چیلنج نہیں کیا گیا کہ جبری گمشدگیوں کے واقعات کی تعداد تحقیقاتی کمیشن کو موصول ہونے والے کیسز سے کہیں زیادہ ہے۔

مقدمات نمٹائے جانے کی سست رفتار کے علاوہ، تحقیقاتی کمیشن دیگر کئی مسائل کا بھی شکار رہا۔ کچھ لاپتا افراد یا تو حراستی مراکز میں ہوتے ہیں یا پھر ٹرائل کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں۔ جب لاپتا افراد کو حراست میں لیا جاتا ہے یا انہیں ٹرائل کے لیے بھیجا جاتا ہے یا جب ان کے خلاف قانونی کارروائی شروع کی جاتی ہے تو اس کے فوراً بعد ان کے خاندانوں کو اطلاع کیوں نہیں دی جا سکتی؟

جبری گمشدگیوں سے متعلق ورکنگ گروپ اور رائے عامہ ایک طویل عرصے سے جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے، اقوام متحدہ کے متعلقہ کنونشن کی توثیق، مجرموں کے ٹرائل، متاثرین کو معاوضے کی ادائیگی اور تحقیقاتی کمیشن کو انسانی اور مالی وسائل کے لحاظ سے مضبوط بنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ سب چیزیں حکومت کے ایجنڈے میں شامل ہونی چاہئیں۔

سابق حکومت نے اس موضوع پر 2014 میں ایک مسودہ قانون بنایا تھا لیکن اسے منظور نہیں کیا جا سکا۔ یہ بل حالیہ دنوں میں سینیٹ کی ایک کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور ہمیں معلوم ہوا کہ اس بل میں بین الاقوامی کنونشن میں بیان کی گئی جبری گمشدگی

> جبری گمشدگیاں اس ظلم سے متاثرہ ہونے والے افراد کے خاندانوں کے لیے ناقابلِ برداشت تکلیف کے علاوہ، بنیادی انسانی حقوق کی پامالی، ایذارسانی اور عزت نفس کی بے حرمتی کا بھی باعث بن رہی ہیں

کی تعریف کو شامل کیا گیا تھا اور اسے جرم قرار دیا گیا تھا۔ حکومت اس بل پر نظرثانی کر سکتی ہے یا ایک نیا مسودہ قانون تیار کر سکتی ہے۔ سابق حکومت اس بل کے حوالے سے ملک میں پائی جانے والی مزاحمت کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ موجودہ حکومت کی ایسی کوئی مجبوری نہیں اور یہ عجلت سے کام کر سکتی ہے۔

گروی مشقت، جس کی دنیا بھر میں مذمت کی جاتی ہے اور اسے جدید غلامی کی ایک شکل قرار دیا جاتا ہے، کے خاتمے کے لیے حکومت اس بات کا جائزہ لیتے ہوئے شروعات کر سکتی ہے کہ سپریم کورٹ کی جانب سے بھٹوں اور دیگر جگہوں پر پیشگی ادائیگیوں کے نظام، جو ان کی غلامی کا باعث بنتا ہے، کو ممنوع قرار دیے جانے اور بانڈڈ لیبر سسٹم (خاتمہ) ایکٹ 1992 کے نفاذ سے لے کر اب تک اس حوالے سے کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔ یہ آئی ایل او کے ان سروے سے استفادہ کر سکتی ہے جن میں ملک کے تمام حصوں میں گروی مشقت اور اس کی مختلف اقسام کی موجودگی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

سول سوسائٹی کو اس حوالے سے جو پہلا مسئلہ درپیش ہے وہ یہ ہے کہ گروی مزدوروں کے پاس نہ تو شناختی دستاویزات تھیں اور نہ ہی وہ مستقل رہائش رکھتے تھے، لہٰذا ان کے قانونی وجود کو ثابت کرنا ناممکن تھا۔ متعدد تنظیموں نے گروی مزدوروں کو شناختی کارڈ جاری کرنے میں رجسٹریشن حکام کی ہچکچاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے ان سیاسی جماعتوں نے بھی ان کا ساتھ دیا جنہیں ووٹوں کی ضرورت تھی۔ حکام کو اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ آیا گروی مزدوروں کو کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ وصول ہوئے ہیں یا نہیں۔

علاوہ ازیں، 1992 کا ایکٹ ضلعی نگران کمیٹیوں پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے اور یہ نظام کبھی بھی فروغ نہیں پا سکا۔ یا تو ایسی کمیٹیاں تشکیل ہی نہیں دی گئیں یا پھر ان میں ایسے افراد کی بھرمار تھی جو بذات خود گروی مزدوروں کا استحصال کر رہے تھے۔

2000 میں، حکومت نے اس معاملے میں کچھ دلچسپی ظاہر کی جس کا کافی حد تک سہرا عمر اصغر خان کو جاتا ہے جو مشرف دور میں وزیر محنت تھے۔ گروی مزدوروں کی فلاح کے منصوبوں کی انجام دہی کے لیے 10 کروڑ روپے کا فنڈ مختص کیا گیا تھا۔ اس فنڈ کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس کے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سندھ حکومت نے گروی مشقت سے آزاد کرائے گئے ہاریوں کی آبادکاری کے لیے نئے دیہات تعمیر کرنے کی تجویز دی ہے۔ پنجاب حکومت پیشگی ادائیگی کے نظام کو قانونی دائرے میں لانے کی کوشش کر رہی ہے اور اس نے بھٹوں پر بچوں کی ملازمت پر پابندی عائد کر دی ہے۔

گروی مزدور دو گروہوں میں منقسم ہیں: بھٹہ مزدور جو عام طور پر پنجاب میں موجود ہیں، اور زرعی مزدور جن کا گڑھ سندھ ہے۔ عام عوامل یہ ہیں کہ قرضے میں جکڑے غلاموں کے طور پر، انہیں نقل و حرکت کی آزادی اور پسند کی ملازمت کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے، خاندان کے تمام افراد مشقت کرتے ہیں، خواتین بدسلوکی کے خطرے سے دوچار رہتی ہیں، اور محنت کشوں کی ایک بہت بڑی تعداد نچلی ذات کے ہندوؤں یا غریب مسیحیوں کی ہے جن کی کسی کو پرواہ نہیں۔ دیگر لحاظ سے، ان دونوں گروہوں کے مسائل مختلف ہیں جن کے جوابات بھی مختلف ہونے چاہئیں۔

بھٹے پر کام کرنے والے مزدور صنعتی محنت کشوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا مکمل اندراج کیا جائے، انہیں معقول معاوضے کی یقین دہانی کرائی جائے، کام نہ ہونے کے دوران ان کی دیکھ بھال کی جائے اور انہیں ای او بی آئی اور سوشل سکیورٹی کے فوائد کی ضمانت دی جائے۔ زراعت کے شعبے سے وابستہ گروی مزدور ہنرمند کسان ہیں اور وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں کاشتکاری کے لیے زمین فراہم کی جائے۔

گروی مشقت کے خاتمے کی کوششیں عام طور پر مالکان کے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے ناکام ہو جاتی ہیں۔ چونکہ ان میں سے زیادہ تر مالکان کا تعلق حزب اختلاف کی جماعتوں سے ہوتا ہے، اس لیے حکومت گروی مشقت کے خلاف اپنی مہم سے دہرا فائدہ حاصل کر سکے گی، بشرطیکہ یہ اپنی تاجر برادری کی حمایت کے دائرے کو ان لوگوں تک وسیع نہ کرے جو محروم مزدوروں کا استحصال کرتے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ ڈان)

پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال

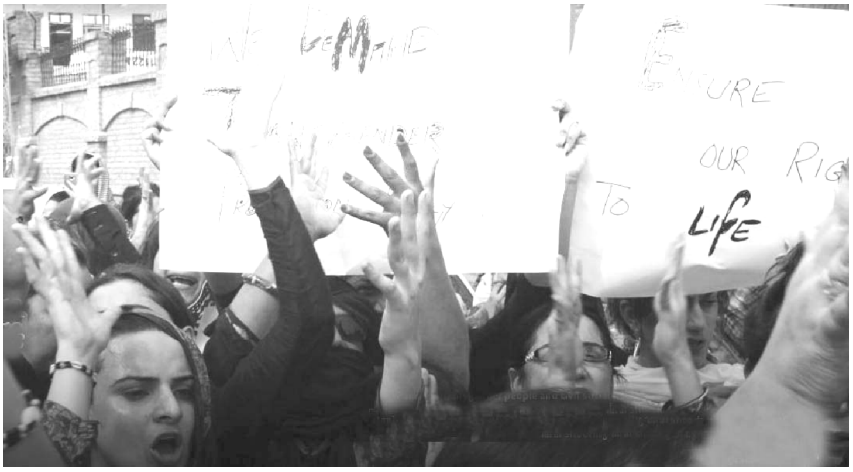

عمران خان کی جماعت پاکستان تحریکِ انصاف نے جولائی میں ہونیوالے پارلیمانی انتخابات میں سب سے زیادہ تعداد میں نشستیں جیتیں اورعمران خان نے اگست میں بطور وزیراعظم عہدہ سنبھالا۔ یہ پاکستان میں مسلسل دوسری دفعہ ایک جمہوری حکومت سے دوسری جمہوری حکومت کو آئینی طور پر اقتدار منتقل ہوا۔ انتخابی مہم کے دوران عمران خان نے معاشی ترقی اور سماجی انصاف کو اپنی ترجیح بنانے کا عہد کیا تھا۔

پاکستان میں 2018ء کے دوران حالیہ سالوں کی نسبت اسلامی عسکریت پسندوں کے حملوں کے نتیجہ میں کم اموات ہوئی ہیں۔ حملوں کا بنیادی ہدف قانون نافذ کرنیوالے اداروں کے اہلکار اور مذہبی اقلیتیں تھیں۔ جن میں سینکڑوں لوگ ہلاک ہوئے۔ طالبان اور دیگر مسلح عسکریت پسندوں نے انتخابات کو سبوتاژ کرنے کی ناکام کوشش میں سینکڑوں لوگوں کو ہلاک کیا۔

پاکستان میں **2018**ء کے دوران حالیہ سالوں کی نسبت اسلامی عسکریت پسندوں کے حملوں کے نتیجہ میں کم اموات ہوئی ہیں۔ حملوں کا بنیادی ہدف قانون نافذ کرنیوالے اداروں کے اہلکار اور مذہبی اقلیتیں تھیں جن میں سینکڑوں لوگ ہلاک ہوئے۔ طالبان اور دیگر مسلح عسکریت پسندوں نے انتخابات کو سبوتاژ کرنے کی ناکام کوشش میں سینکڑوں لوگوں کو ہلاک کیا۔

حکومت نے قومی سلامتی کے نام پر غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) اور ذرائع ابلاغ میں اختلافی آوازوں کو دبانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ عسکریت پسندوں اور مفاد پرست ٹولوں نے دھمکیوں اور تشدد کے ذریعے آزادیِ اظہارِ رائے کو خطرات سے دوچار کیے رکھا۔

خواتین، مذہبی اقلیتوں اور مخنث حضرات کو پرتشدد حملوں، تعصب اور حکومتی جبر کا سامنا کرنا پڑا۔ حکام انہیں مناسب حفاظت مہیا کرنے اور ذمہ داران کو قصور وار ٹھہرانے میں ناکام رہے۔

آزادیِ اظہارِ رائے اور سول سوسائٹی پر حملے

سکیورٹی فورسز اور عسکریت پسند گروہوں کی جانب سے ہونے والے مظالم کو ذرائع ابلاغ میں کوریج کے حوالے سے خوف کی فضا قائم رہی۔ 2018 میں عسکریت پسند گروہوں کی دھمکیوں اور حملوں کے بعد صحافیوں میں سیلف سنسر شپ کا رجحان بڑھا۔ ذرائع ابلاغ کے اداروں پر حکام کا دباؤ بڑھ گیا ہے کہ وہ مختلف موضوعات بشمول حکومتی اداروں و عدلیہ پر تنقید سے گریز کریں۔ کئی مواقع پر حکومتی نظم وضبط کے اداروں نے کیبل آپریٹرز کو تنقیدی پروگرام نشر کرنے سے روکا۔

لاہور میں ایک صحافی گل بخاری کو جون کے مہینے میں بعض نامعلوم افراد نے اغواء کرلیا اور چند گھنٹوں کے بعد چھوڑ دیا۔ اسی رات، ایک ٹی وی چینل کے ساتھ وابستہ صحافی اسد کھرل پر لاہور میں حملہ کر کے زخمی کیا گیا۔

ناروے سے تعلق رکھنے والے ایک صحافی قذافی زمان کو جولائی میں اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ ایک سیاسی جلوس کی رپورٹنگ کر رہے تھے۔ ان کو مارا پیٹا گیا اور تین دن کے بعد چھوڑ دیا گیا۔

ہیومن رائٹس واچ کو متعدد معتبر اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن کے مطابق 2018ء میں حکومتی حکام کی جانب سے کئی این جی اوز کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی گئی، ان کو ہراساں کیا گیا اور دھمکایا گیا۔ حکومت نے "پاکستان میں بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کو ضابطے میں لانے" کی پالیسی کو استعمال کرتے ہوئے بین الاقوامی انسانی حقوق کے اداروں کی رجسٹریشن اور ان کے کام میں رکاوٹ ڈالی ہے۔

عقیدے اور مذہب کی آزادی

پاکستان میں کم از کم سترہ افراد توہین رسالت کے خوفناک قانون کے تحت سزا پانے کے بعد پھانسی کے منتظر ہیں اور سینکڑوں ایسے مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں۔ توہین رسالت کے الزامات کا سامنا کرنے والوں کی اکثریت کا تعلق مذہبی اقلیتوں سے ہے۔

اکتوبر میں، پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ نے صوبہ پنجاب کے ایک گاؤں سے تعلق رکھنے والی 47 سالہ مسیحی خاتون آسیہ بی بی جو آٹھ سال سے سزائے موت کے قیدی کی حیثیت سے جیل میں بند تھیں، کو بری کر دیا۔ توہین رسالت کے قانون کی حمایت کرنے والے گروہوں نے آسیہ بی بی کے رہائی کے فیصلے کے خلاف سڑکوں پر احتجاج کیا، سرکاری اور نجی املاک کو نقصان پہنچایا، حکومتی اہلکاروں، عدالت عظمیٰ کے ججوں اور فوج کی قیادت کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔

2018ء میں حکومتی وغیر حکومتی افراد کی جانب سے مذہبی بے حرمتی کے الزامات اور اس طرح کی بیان بازی میں اضافہ ہوا ہے۔ تاہم، حکومت نے قانون میں کسی قسم کی ترمیم نہ کی بلکہ اس کی بجائے غیر محفوظ گروہوں کے خلاف متعصّبانہ مقدمات اور دیگر زیادتیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

فروری میں، 18 سالہ پطرس مسیح اور 24 سالہ ساجد مسیح کے خلاف لاہور میں مذہبی بے حرمتی کے الزامات میں مقدمات دائر کیے گئے۔ ساجد مسیح نے الزام لگایا کہ حراست کے دوران اس پر پولیس تشدد کیا گیا جس کے نتیجے میں اس نے تفتیشی کمرہ کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی کوشش کی۔ وہ بری طرح زخمی ہوا لیکن اس کی جان بچ گئی۔

مئی میں، وزیرداخلہ احسن اقبال کو پنجاب کے ضلع نارووال میں انتخابی جلوس کے دوران قتل کرنے کی کوشش میں ایک شخص نے گولی چلائی جس کا تعلق ایک انتہا پسند مذہبی گروہ سے تھا۔

مئی میں، مذہبی بے حرمتی کے خلاف مولویوں کی قیادت میں ہجوم نے حملہ کیا اور احمدیہ جماعت کی دو تاریخی مذہبی عمارتوں کو تباہ کر دیا۔

پاکستان بھر میں احمدیہ جماعت کے اراکین مذہبی بے

حرمتی کے قوانین اور احمدیوں کے خلاف مخصوص قوانین کے تحت مقدمات کا بدستور نشانہ بنتے رہے۔ ان کے خلاف امتیازی سلوک میں اضافہ ہوا کیونکہ عسکری گروہوں اور اسلامی سیاسی جماعت تحریک لبیک (ٹی ایل پی) نے ان پر الزامات عائد کیے کہ وہ خود کو 'مسلمان ظاہر کرتے ہیں'۔ تعزیراتِ پاکستان کے تحت احمدیوں کا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا بدستور فوجداری جرم ہے۔ انہیں موثر طریقے سے 2018ء کے پارلیمانی انتخابات میں شرکت کرنے سے خارج کر دیا گیا کیونکہ ووٹ ڈالنے کے لیے انہیں اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دینا پڑتا ہے اور ان میں سے کئی سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنا اپنے عقیدے سے دستبرداری اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

ستمبر میں، عمران خان کی حکومت نے جماعتِ احمدیہ سے تعلق رکھنے والے ممتاز ماہر معیشت عاطف میاں کو مشیر معیشت تعینات کیا مگر اس کے فوری بعد انہیں عہدہ چھوڑنے کے لیے کہا کیونکہ تحریک لبیک پاکستان اور دیگر اسلامی گروہوں نے ان کی مذہبی وابستگی پر اعتراض کیا تھا۔ عاطف میاں نے کہا کہ 'ملاؤں اور ان کے حمایتیوں کی جانب سے دباؤ کی وجہ سے وہ اپنے عہدے سے دستبردار ہو رہے ہیں۔'

عورتوں اور بچوں کے حقوق

عورتوں اور لڑکیوں کے خلاف تشدد بشمول عصمت دری، نام نہاد غیرت کی بنیاد پر قتل، تیزاب پھینکنے کے واقعات، گھریلو تشدد اور جبری شادیاں بدستور ایک سنگین مسئلہ ہیں۔ پاکستان میں انسانی حقوق کے کارکنوں کے اندازے کے مطابق ہر سال 'غیرت' کے نام پر تقریباً ایک ہزار خواتین ہلاک ہوتی ہیں۔

پنجاب کے ضلع فیصل آباد میں انیس سالہ مہوش ارشد کو جون میں شادی کی پیشکش ٹھکرانے پر قتل کرنے کے واقعہ نے قومی توجہ حاصل کی۔ ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق کم از کم 66 خواتین کو ضلع فیصل آباد میں 2018ء کے پہلے چھ مہینوں میں قتل کیا گیا جن میں اکثریت کو 'غیرت' کے نام پر قتل کیا گیا۔

جسٹس طاہرہ صفدر کو بلوچستان کی عدالتِ عالیہ کی چیف جسٹس مقرر کیا گیا جو کہ پاکستان کی کسی بھی عدالتِ عالیہ کی چیف جسٹس مقرر ہونیوالی پہلی خاتون ہیں۔

مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی خواتین زیادتیوں کا آسان شکار رہی ہیں۔ پاکستان میں تحریک برائے یکجہتی و امن کی رپورٹ کے مطابق مسیحی اور ہندو گھرانوں کی کم از کم ایک ہزار لڑکیوں کو ہر سال جبری طور پر مسلمان مردوں کے ساتھ بیاہ دیا جاتا ہے لیکن حکومت نے ایسی جبری شادیوں کو روکنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا۔

کم عمری کی شادیاں بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ 21 فیصد لڑکیوں کی شادی 18 سال کی عمر سے پہلے جبکہ 3 فیصد کی 15 سال کی عمر سے پہلے کر دی جاتی ہے۔

طالبان اور ان سے منسلک مسلح گروہوں نے 2018ء میں سکولوں پر حملے کرنے اور بچوں کو خودکش دھماکوں کے لیے استعمال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگست میں، عسکریت پسندوں نے پاکستان میں گلگت بلتستان کے ضلع دیامیر میں کم از کم بارہ سکولوں پر حملے کیے اور انہیں جلا ڈالا جن میں سے تقریباً آدھے سکول لڑکیوں کے تھے۔ پاکستان نے سکولوں کے فوجی مقاصد کے لیے استعمال پر پابندی عائد نہیں کی ہے اور نہ ہی اعلامیہ برائے محفوظ سکول کی توثیق کی ہے جس کی اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے معاشی، سماجی و ثقافتی حقوق نے 2017ء میں سفارش کی تھی۔

پاکستان میں ابتدائی سکول کی عمر والے پچاس لاکھ سے زائد بچے سکول نہیں جاتے اور ان میں زیادہ تر لڑکیاں ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ کی تحقیق کے مطابق لڑکیوں کی سکول نہ جانے کی وجوہات میں سکولوں کی تعداد کم ہونا، پڑھائی سے متعلقہ اخراجات، کم عمری کی شادیاں، بچوں سے نقصان دہ مشقت لینا اور صنفی امتیاز شامل ہیں۔

بچوں سے جنسی زیادتی پاکستان میں پریشان کن حد تک عام ہے۔ صرف لاہور، پنجاب میں 2018ء کے پہلے چھ ماہ میں ایسے 141 واقعات رپورٹ ہوئے۔ پولیس کی اطلاعات کے مطابق، کم از کم 77 لڑکیوں اور 79 لڑکوں سے جنسی زیادتی کی گئی یا انہیں جنسی ہراساں کیا گیا۔ لیکن اس رپورٹ کے تحریر ہونے تک ایک بھی ملزم کو سزا نہیں ہوئی تھی اور تمام افراد کو ضمانت پر رہا کیا جا چکا تھا۔

جنوری میں، سات سالہ زینب انصاری کی قصور (پنجاب) میں عصمت دری اور قتل کی وجہ سے ملک بھر میں غصے کی لہر پھیل گئی جس کے نتیجہ میں حکومت نے کارروائی کرنے کا وعدہ کیا۔ 12 جنوری کو عدالتِ عظمیٰ نے عمران علی کی زینب انصاری اور کم از کم آٹھ دوسری لڑکیوں کے ریپ اور قتل کے جرم میں سزا کی توثیق کر دی۔ 17 اکتوبر کو عمران علی کو پھانسی دے دی گئی۔ خیبر پختونخوا کے ضلع مردان میں آٹھ اگست کو ایک پانچ سالہ لڑکی جس کو زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا تھا، کی لاش ملی۔ سندھ کے ضلع سکھر میں 6 سالہ لڑکی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اس کے ساتھ جنسی زیادتی کی تصدیق کی گئی۔ ساحل نامی تنظیم کے مطابق پاکستان میں روزانہ اوسطاً گیارہ بچوں کے ساتھ زیادتی کی اطلاع ملتی ہے۔ پنجاب کے ضلع قصور میں 2018ء میں ایک درجن قتل ہونے والے بچوں میں زینب انصاری بھی شامل تھی۔ 2015 میں اسی ضلع میں پولیس نے بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کرنیوالے ایک گروہ کی نشاندہی کی تھی۔

دہشت گردی، انسداد دہشت گردی، اور قانون نافذ کرنے والوں کی زیادتیاں

خودکش دھماکوں، مسلح حملوں اور طالبان، القاعدہ اور ان سے منسلک گروہوں کی جانب سے مذہبی اقلیتوں، سیکیورٹی فورسز کے اہلکاروں، اور سیاستدانوں کو نشانہ بنانے کے نتیجے میں سینکڑوں ہلاکتیں ہوئیں۔

جولائی میں ہونے والے انتخابات کی مہم کے دوران طالبان اور دیگر عسکریت پسند گروہوں نے امیدواروں اور ان کے حامیوں کو نشانہ بنایا۔ 13 جولائی کو، بلوچستان کے ضلع مستونگ میں بلوچستان عوامی پارٹی (بی اے پی) کے انتخابی جلسے میں ہونے والے حملے کے نتیجے میں 128 لوگ ہلاک ہوئے۔ اس حملے کا شمار پاکستان کی تاریخ کے سب سے خوفناک خودکش حملوں میں ہوتا ہے۔ بلوچستان عوامی پارٹی کے سیاستدان نوابزادہ سراج رئیسانی اس حملہ میں ہلاک ہوئے۔

ذرائع ابلاغ کے مطابق طالبان کے ایک گروہ نے حملے کی ذمہ داری قبول کی۔ اسی روز، متحدہ مجلس عمل (ایم ایم اے) کے ایک سینئر سیاسی رہنما اکرم درانی کے قافلے پر حملہ ہوا جس میں چار افراد ہلاک اور 32 زخمی ہوئے۔ یہ حملہ ریموٹ کنٹرول دھماکے کے ذریعے خیبر پختونخوا کے ضلع بنوں میں کیا گیا جس کا نشانہ اکرم خان درانی تھے مگر ان کی جان بچ گئی۔ خیبر پختونخوا میں پشاور کے مقام پر ہونے والے انتخابی جلسے میں عوامی نیشنل پارٹی کے سینئر رہنما ہارون بلور کو

> طالبان اور ان سے منسلک مسلح گروہوں نے **2018**ء میں سکولوں پر حملے کرنے اور بچوں کو خودکش دھماکوں کے لیے استعمال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگست میں، عسکریت پسندوں نے پاکستان میں گلگت بلتستان کے ضلع دیامیر میں کم از کم بارہ سکولوں پر حملے کیے اور انہیں جلا ڈالا جن میں سے تقریباً آدھے سکول لڑکیوں کے تھے۔ پاکستان نے سکولوں کے فوجی مقاصد کے لیے استعمال پر پابندی عائد نہیں کی ہے اور نہ ہی اعلامیہ برائے محفوظ سکول کی توثیق کی ہے اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے معاشی، سماجی و ثقافتی حقوق نے **2017**ء میں سفارش کی تھی۔

10 جولائی کو ایک خودکش دھماکے میں ہلاک کر دیا گیا۔ کم از کم 20 دوسرے لوگ بھی ہلاک ہوئے۔ عسکریت پسند گروہ تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) نے اس حملہ کی ذمہ داری قبول کی۔ 25 جولائی کو انتخاب والے دن کوئٹہ میں ایک پولنگ سٹیشن کو خودکش حملے کا نشانہ بنایا گیا جس میں 31 لوگ ہلاک ہوئے۔ عسکریت پسند گروہ داعش (آئی ایس آئی ایس) نے حملے کی ذمہ داری قبول کی۔

23 نومبر کو، چین کے قونصلیٹ واقع کراچی میں مسلح حملہ ہوا جس میں دو پولیس افسروں سمیت چار لوگ ہلاک ہوئے۔ عسکریت پسند گروہ بلوچ لبریشن آرمی (بی ایل اے) نے حملے کی ذمہ داری قبول کی۔ اسی دن قبائلی ضلع اورکزئی میں (آئی ایس آئی ایس) نے خودکش حملہ کیا جس میں 33 لوگ ہلاک ہوئے۔

پاکستان میں انسانی حقوق کے محافظین اور وکلاء صفائی کے بقول، انسداد دہشت گردی کے آپریشن کے دوران، پاکستانی سیکیورٹی فورسز انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی مرتکب ہوتی ہیں۔ جن میں تشدد، جبری گمشدگیاں، بلا الزام حراست اور ماورائے عدالت ہلاکتیں شامل ہیں۔ انسداد دہشت گردی کے قوانین کو سیاسی دباؤ کے ہتھیار کے طور پر بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ حکام فوجی عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کی آزادانہ نگرانی کی اجازت نہیں دیتے اور اس طرح بہت سے ملزمان کو منصفانہ سماعت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

جنسی رجحان اور صنفی شناخت

پاکستان میں مخنث اور تیسری صنف سے تعلق رکھنے والی خواتین کے خلاف تشدد بدستور جاری ہے۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں ٹرانس ایکشن گروہ کے مطابق، خواجہ سراء عورتوں پر 479 حملے کیے گئے جس میں 2018 میں کم از کم چار خواجہ سراء عورتیں ہلاک ہوئیں۔ 2015 میں یہ ہلاکتیں 57 تھیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع مانسہرہ میں 14 مئی کو ایک خواجہ سراء عورت مُنی پر جان لیوا فائرنگ ہوئی جس نے ملک گیر توجہ حاصل کی۔

پاکستان کی پارلیمان نے مئی میں ایک بہت بڑی پیش رفت کرتے ہوئے خواجہ سراء شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دینے کا قانون منظور کیا اور آجروں کے امتیازی سلوک کو غیر قانونی قرار دیا۔ یہ قانون کسی بھی شخص کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مرد، عورت یا ان کے امتزاج کے طور پر اپنی شخصیت کا اظہار کرے اور اپنی اس شناخت کو سرکاری دستاویزات میں رجسٹرڈ کروائے۔ ان دستاویزات میں قومی شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ڈرائیونگ لائسنس اور تعلیمی اسناد شامل ہیں۔

تعزیراتِ پاکستان کے مطابق ایک ہی صنف کے افراد کے درمیان جنسی تعلق جرم ہے جس سے مردوں کے درمیان اور مرد اور خواجہ سراء عورت کے جنسی تعلق کو پولیس زیادتی اور دیگر قسم کے تشدد اور تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سزائے موت

پاکستان میں آٹھ ہزار سے زیادہ افراد سزائے موت کے قیدی ہیں اور پاکستان ان ممالک میں شامل ہے جہاں سزائے موت کے قیدیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

> پاکستان میں انسانی حقوق کے محافظین اور وکلاء صفائی کے بقول، انسداد دہشت گردی کے آپریشن کے دوران، پاکستانی سیکیورٹی فورسز انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی مرتکب ہوتے ہیں۔ جن میں تشدد، جبری گمشدگیاں، بلا الزام حراست اور ماورائے عدالت ہلاکتیں شامل ہیں۔ انسداد دہشت گردی کے قوانین کو سیاسی دباؤ کے ہتھیار کے طور پر بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ حکام فوجی عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کی آزادانہ نگرانی کی اجازت نہیں دیتے اور اس طرح بہت سے ملزمان کو منصفانہ سماعت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

پاکستانی قانون کے تحت 28 جرائم میں پھانسی کی سزا دی جا سکتی ہے جن میں قتل، زنا، غداری، دہشت گردی کے کچھ اقدامات اور توہین رسالت شامل ہیں۔ سزائے موت کے قیدیوں میں زیادہ افراد معاشرے کے پست ترین طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اپریل میں پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے امداد علی اور کنیز فاطمہ کی سزائے موت کو معطل کر دیا اور حکم دیا کہ ان قیدیوں کی نفسیاتی معذوری کے معاملات کو عدالت عظمیٰ کا ایک بینچ دیکھے۔ عدالت نے حکم دیا کہ نفسیاتی معذوری میں مبتلا کسی شخص کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ امداد علی اور کنیز فاطمہ تادم تحریر سزائے موت کی کوٹھری میں ہی تھے۔

اہم عالمی کردار

مارچ میں اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کونسل نے نومبر 2017 میں ہونے والے پاکستان کے تیسرے عالمی سلسلہ وار جائزے (یو پی آر) کا نتیجہ وضع کیا۔ پاکستان نے یو پی آر کے دوران کئی گئی متعدد اہم سفارشات مسترد کر دی تھیں۔

جب سے پاکستان 2017 میں انسانی حقوق کی کونسل میں منتخب ہوا ہے، یہ عمومی طور پر انسانی حقوق کے معاملات میں مضبوط موقف اختیار کرنے میں ناکام رہا ہے۔ تاہم ستمبر 2017ء میں پاکستان نے تنظیم برائے اسلامی تعاون کی رکن ریاستوں کی قیادت کرتے ہوئے میانمر میں فوج کی جانب سے روہنگیا کی نسل کشی پر تشویش کا اظہار کیا۔

پاکستان کے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ غیر مستحکم تعلقات 2018 میں بداعتمادی کے باعث مزید خراب ہو گئے۔ امریکہ پاکستان کی ترقیاتی اور فوجی امداد دینے والا سب سے بڑا ملک ہے۔ اگست میں امریکہ نے پاکستان میں فوجی اخراجات کیلئے بطور امداد دیئے جانے والے 300 ملین امریکی ڈالر اس بنیاد پر روک دیئے کہ پاکستان طالبان سے تعلق رکھنے والے گروہ حقانی نیٹ ورک کے خلاف مؤثر کارروائی نہیں کر رہا۔ حقانی نیٹ ورک پر الزام ہے کہ وہ پاکستان کی سرزمین استعمال کرتے ہوئے افغانستان کی شہری آبادی، حکومت کے اہلکاروں اور نیٹو فورسز پر حملہ کرتے ہیں۔

جون میں، اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق (او ایچ سی ایچ آر) نے کشمیر میں انسانی حقوق پر اپنی رپورٹ جاری کی۔ یہ اقوام متحدہ کی کشمیر میں انسانی حقوق کی صورت حال پر پہلی رپورٹ ہے۔ اس رپورٹ میں بیان کیا گیا کہ پاکستانی کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی نوعیت اور حجم بھارتی کشمیر سے مختلف ہے جہاں اختلاف رائے، اور آزادی اظہار رائے، پرامن اجتماع اور انجمن سازی کے حقوق کو نشانہ بنانے کے لیے انسداد دہشت گردی کے قوانین کا استعمال ہو رہا ہے۔

جولائی میں، یورپین یونین (ای یو) نے پاکستان میں ہونے والے انتخابات کے مشاہدے کے لیے مبصرین کا ایک وفد بھیجا جنہوں نے بعد میں ایک رپورٹ جاری کی۔ اس رپورٹ میں آزادی اظہار رائے پر پابندیوں اور فوج کی طرف سے الیکشن میں مداخلت اور عدلیہ کے سیاسی کردار کے الزامات کا ذکر تھا۔

2018ء میں پاکستان اور چین کے معاشی اور سیاسی تعلقات مزید گہرے ہوئے اور چائنہ۔ پاکستان معاشی راہداری کے منصوبے پر کام جاری رہا۔ اس منصوبے میں سڑکوں، ریلوے اور توانائی کی پائپ لائنز بنانا شامل ہے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان تاریخی طور پر کشیدہ تعلقات میں کوئی بہتری نظر نہ آئی۔ دونوں ممالک ایک دوسرے پر بدامنی اور عسکریت پسندی پھیلانے کا الزام لگاتے رہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، ہیومن رائٹس واچ کی انسانی حقوق کی عالمی رپورٹ سے اقتباس)

گوادر میں 36 ہزار ایکڑ زمین سرکاری اراضی قرار

گـــــوادر بلوچستان حکومت نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے ضلع گوادر کی تحصیل پسنی میں 36 ہزار ایکڑ زمین پر معاہدے کو ختم کرتے ہوئے اسے سرکاری زمین قرار دے دیا۔ باوثوق ذرائع نے بتایا کہ جس زمین کو منسوخ کیا گیا ہے وہاں تحصیل پسنی کے 19 گاؤں واقع ہیں، یہ نوٹیفکیشن 7 جنوری 2019ء کو جاری کیا گیا تھا جس پر بورڈ آف ریونیو کے سینئر رکن شعیب احمد گولا نے دستخط کیے ہیں۔ رینل اسٹیٹ ایسوسی ایشن کے صدر غلام محمد نے کہا کہ حکومتی فیصلے نے اربوں روپے کی سرمایہ کاری کرنے والے افراد کو ان کی جائیداد سے محروم کر دیا ہے۔ جن گاؤں میں زمینوں کو منسوخ کیا گیا ہے ان میں شمل بندن، چار بندن، چکین، گھاٹی، شتنگی، گیرانی، گدزان، منیر بل، مکولا شرقی، مکولا غربی، کپر شرقی، کپر غربی، کلمت، چاندی کلمت، اسپیاک، دوسی، رومبارو، شدی کور شمالی اور زرین شامل ہیں۔ اس علاقے کی زمین کے مالکوں نے حکومتی فیصلے پر تحفظات کا اظہار کیا اور دعویٰ کیا کہ جس زمین کو حکومت نے تحویل میں لینے کا اعلان کیا، وہ سرکاری ریکارڈ میں کئی صدیوں سے ان کے نام پر رجسٹر ہیں کیونکہ یہ زمین ان کے آباؤ اجداد کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت کو زمین چاہیے تو وہ اصل مالکوں کو اس کی قیمت ادا کرے۔ بلوچستان نیشنل پارٹی مینگل گروپ کے رکن صوبائی اسمبلی میر کمال کلمتی نے بورڈ آف ریونیو کے فیصلے کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ یہ تیسرا موقع ہے کہ حکومت مالکان کو ان کی اپنی ہی زمین سے محروم کر رہی ہے۔

انہوں نے کہا کہ حکومت نے اس زمین کو قانونی طور پر معاہدے کے تحت 2 مرتبہ بیچ کر اور باقاعدہ عمل کی تکمیل کے بعد الاٹ کر چکی ہے اور اب دوبارہ متعلقہ محکمہ تحصیل پسنی کے 19 گاؤں کے رہائشیوں سے شدید زیادتی کر رہا ہے۔ کمال کمتی نے کہا کہ مقامی لوگ اس زمین کے مالک تھے اور زمین کی ملکیت کے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ کا فیصلہ موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تحصیل پسنی کے عوام سے زیادتی ہرگز برداشت نہیں کریں گے اور تمام فورمز پر ان کے حقوق کی جنگ لڑیں گے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پولیس کی زیر حراست زخمی نوجوان ہلاک

کـراچی کراچی پولیس کی جانب سے مبینہ مقابلے کے بعد زخمی حالت میں گرفتار کیا جانے والا نوجوان دوران حراست ہلاک ہوگیا۔ تیور یہ تھانے کی پولیس نے مبینہ مقابلے کے بعد اکیس سالہ بلال کو زخمی حالت میں گرفتار کیا تھا، نوجوان کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ پولیس سرجن اعجاز کھوکھر نے ڈان کو بتایا کہ پولیس نے پہلے زخمی نوجوان کو عباسی شہید ہسپتال منتقل کیا، جہاں اسے ابتدائی طبی سہولیات فراہم کی گئیں، جس کے بعد پولیس نوجوان کو واپس لے گئی۔ بعدازاں پولیس نے زیر حراست زخمی نوجوان کو تشویشناک حالت میں دوبارہ ہسپتال منتقل کیا۔ پولیس سرجن نے بتایا کہ نوجوان نے ہسپتال میں دم توڑ دیا۔ کراچی پولیس چیف ڈاکٹر امیر احمد شیخ نے پولیس حراست میں نوجوان کی ہلاکت کا نوٹس لے کر واقعے کی تحقیقات کا حکم دیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

'غیرت' کے تصور نے دو اور جانیں لے لیں

کـراچـی 12 فروری کو ایچ آر سی پی کے کراچی دفتر کو عابدہ نامی خاتون کی طرف سے ایک درخواست موصول ہوئی جس میں انہوں نے بیان کیا تھا کہ اس کی بیٹی مرینہ کو اس کے باپ اور دادا نے مل کر 'غیرت' کے نام پر قتل کر دیا ہے۔ عابدہ ایک گھریلو خاتون ہیں اور پشتون خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہوں نے ایچ آر سی پی کو بتایا کہ ان کی بیٹی مرینہ دختر عبدالرحیم جو سیکنڈ ایئر میڈیکل کی طالبہ تھی، کو اپنے خالازاد سلمان جو کہ اس کا منگیتر بھی تھا کے ساتھ صرف سیلفی لینے پر جان سے مار ڈالا گیا۔ سلمان کو پانچ نومبر 2018ء کو سوات میں مارا گیا اور مرینہ کو 7 نومبر 2018ء کو باپ نے رات کے وقت زہر دے کر مار ڈالا۔ مرینہ کی میڈیکل رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ لڑکی کو زہر دے کر مارا گیا جس کے باعث عدالت نے عبدالحکیم (لڑکی کا دادا) اور باپ عبدالرحیم کو جیل بھیج دیا ہے۔ عابدہ کا کہنا تھا کہ اس کا چھوٹا بیٹا اسے دھمکیاں دے رہا ہے کہ 'مقدمہ واپس لو ورنہ وہ تمام بچوں کو مرینہ کی طرح مار دے گا'۔ اس سلسلے میں عابدہ نے پولیس کو تمام تر صورتحال سے آگاہ کیا۔ عابدہ نے مزید بتایا کہ عدالت کی طرف سے مرینہ کے پوسٹ مارٹم کے لیے قبر کشائی کا حکم بھی جاری ہوا جس کے بعد حتمی رپورٹ آئے گی۔

(ایچ آر سی پی، کراچی دفتر)

ٹارگٹ کلنگ، شیعہ ذاکر سمیت 2 افراد قتل

ڈیـرہ اسـماعیل خـان 25 فروری کو ڈیرہ اسماعیل خان کے گنجان آباد علاقہ اسلامیہ کالونی میں دن دیہاڑے دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے انتہائی افسوسناک واقعہ میں نامعلوم دہشت گردوں نے ٹی ایم اے ڈیرہ کے اہلکار شیعہ ذاکر قیصر عباس سمیت دو افراد کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پولیس ذرائع کے مطابق تھانہ کینٹ کی حدود اسلامیہ کالونی میں واقعہ ٹی ایم اے دفتر کے باہر ٹی ایم اے کے نائب قاصد اور شیعہ ذاکر 38 سالہ قیصر عباس ولد غلام عباس قوم گورائیہ سکنہ فقیر آباد ڈیرہ اور بیلدار 22 سالہ دلاور ولد محمد بلال سکنہ بستی درکھانو کی موجود تھے کہ اس دوران موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم حملہ آوروں نے ان پر اندھا دھند فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں وہ دونوں شدید زخمی ہوگئے، حملہ آور موٹر سائیکل پر فرار ہوگئے، واقعہ کی اطلاع پر پولیس اور ریسکو ٹیمیں فوری موقع پر پہنچ گئیں اور دونوں کو ہسپتال منتقل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ دونوں راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ لاشیں پوسٹ مارٹم کے بعد لواحقین کے سپرد کر دی گئیں، پولیس نے علاقہ کو گھیرے میں لے کر سرچ آپریشن شروع کر دیا۔

(روزنامہ آج)

ملازمین کو 3 ماہ سے تنخواہ نہیں ملی

ٹـــانک جنوبی وزیرستان گومل زام ڈیم واٹر ٹنگ پراجیکٹ کے ملازمین گزشتہ تین ماہ کی تنخواہوں سے محروم ہیں۔ تنخواہوں کی بندش سے ملازمین شدید معاشی مسائل سے دوچار ہیں۔ جنوبی وزیرستان گومل زام ڈیم واٹر ٹنگ پراجیکٹ کے ملازمین نے میڈیا کو اپنی مشکلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ بچوں کی سکول فیس ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اور روزمرہ اشیائے خورنوش دکانداروں نے قرض پر دینے سے انکار کر دیا ہے جس سے ان کے گھروں میں چولہے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ گومل زام ڈیم واٹر ٹنگ کے ملازمین کو ہائیڈل پاور پراجیکٹ میں ایڈجسٹ کیا جائے اور ملازمین کو تین ماہ کی تنخواہیں یکمشت ریلیز کرنے کے احکامات جاری کریں، بصورت دیگر وہ احتجاجی دھرنا دینے پر مجبور ہیں۔

(نامہ نگار)

تعلیم

زلزلہ کے 16 سال بعد بھی سکول تعمیر نہ ہوسکا

مانسہرہ قیامت خیز زلزلہ سے تباہ ہونے والے سرکاری سکول کی عمارت تعمیر نہ ہونے سے وادی کاغان میں طلبہ کھلے آسمان تلے تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ گورنمنٹ پرائمری سکول بڈھی دانکہ کیوائی میں طلبہ اور اساتذہ برف پر بیٹھے درس وتدریس میں مشغول نظر آتے ہیں، سکول کے کئی طلبہ نمونیا کا شکار ہو چکے ہیں، جن میں سے دو بچے جان کی بازی ہار چکے ہیں، مقامی آبادی کے مطابق حکومت نے سکول کی چاردیواری تو تعمیر کردی ہے مگر عمارت ابھی تک تعمیر نہیں کی جاسکی ہے، تمام والدین نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ سکول کی تعمیر کو یقینی بنائیں تاکہ بچوں کو درپیش مشکلات کا خاتمہ ممکن ہوسکے۔ (روزنامہ ایکسپریس)

اساتذہ وسکیورٹی گارڈ کو تنخواہوں کی عدم ادائیگی

باجوڑ قبائلی ضلع باجوڑ میں فاٹا ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے تحت چلنے والے 28 کمیونٹی سکولوں کے 56 اساتذہ اور 28 سکیورٹی گارڈز کو گزشتہ 19 مہینوں سے تنخواہیں ادا نہیں کی گئیں، جس کی وجہ سے مذکورہ سکولوں کی بندش کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔ ان سکولوں میں 5000 ہزار طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ محکمہ فاٹا ایجوکیشن فاؤنڈیشن باجوڑ کے اساتذہ اور سکیورٹی گارڈ خورشید، نیک زادہ، رقیب احمد، اقبال خان، نواب زادہ اور عجب خان نے احتجاج کرتے ہوئے میڈیا کے نمائندوں کو بتایا کہ مذکورہ ادارے نے انہیں سال 2012ء میں بھرتی کیا لیکن بروقت تنخواہیں نہ ملنے سے وہ کسمپرسی کا شکار ہیں اور ان کے لیے خاندان کی کفالت کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس مسئلے کے حل کیلئے انہوں نے وزیراعظم پاکستان کے شکایت سیل، گورنر خیبر پختونخوا، وزیر تعلیم ضیاءاللہ بنگش، وزیر اطلاعات شوکت یوسفزئی، وزیر اطلاعات فواد چوہدری سمیت مقامی ارکان اسمبلی، محکمہ ایجوکیشن اور ڈی سی باجوڑ کو درخواستیں دی ہیں لیکن تاحال ان کا نوٹس نہیں لیا گیا۔ انہوں نے صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا کہ انہیں مستقل کیا جائے اور بروقت تنخواہیں دی جائیں کیونکہ ان کے ساتھ قوم کے پانچ ہزار بچوں کا مستقبل بھی خطرے میں ہے۔

(نامہ نگار)

اقلیتیں

جماعت احمدیہ کی عبادت گاہوں کی بندش

راولپنڈی 18 دسمبر 2018 کو ایک پولیس اہلکار نے جماعت احمدیہ کی عبادت گاہ بیت العطا کا دورہ کیا اور عبادت گاہ کے منتظم کرنل ریٹائرڈ اعجاز منہاس سے ملاقات کی۔ پولیس اہلکار نے بتایا کہ وہ سٹیشن ہاؤس آفیسر کا پیغام لے کر آیا ہے۔ 21 دسمبر کو ایس ایچ او نے عبادت گاہ کا دورہ کیا۔ بعدازاں منہاس اعجاز پولیس اسٹیشن گئے اور ایس ایچ او سے ملے۔ ایس ایچ او نے اعجاز منہاس کو بتایا کہ کچھ دن قبل کچھ دہشت گردوں نے فوج کی ایک چوکی پر حملہ کر کے فوج کے دو جوانوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ چنانچہ کینٹونمنٹ میں انتہائی چوکس رہنا اور ایسی تمام جگہوں کی سیکیورٹی بہتر کرنا نہایت ضروری ہے۔ ایس ایچ او نے مزید کہا کہ پشاور روڈ پر واقع احمدیہ گیسٹ ہاؤس (بیت العطا) بھی دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ پر ہے۔ یہ ایک تنگ گلی میں ہے اور اس کے اردگرد مسلمانوں کے گھر آباد ہیں۔ ایس ایچ او کے مطابق، اس پر حملہ بہت زیادہ نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ ایس ایچ او نے کرنل منہاس کو کہا کہ اس عمارت کی حیثیت کمیونٹی گیسٹ ہاؤس کی ہے اس لیے اسے عبادت کے مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ''اگر آپ اسے عبادت کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو پھر متعلقہ حکام سے اجازت لیں اور اس وقت تک اس عمارت کو جمعہ کی نماز کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا'' انہوں نے کہا۔ اس کے بعد ایس ایچ او نے کرنل منہاس سے ایک بیان پر دستخط کروائے جس میں لکھا ہوا تھا کہ متعلقہ دفتر سے اجازت نامہ لینے تک بیت العطا میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھائی جائے گی۔ 28 دسمبر کو ایس ایچ او نے خود بیت العطا کا دورہ کیا یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا احکامات پر عملدرآمد کیا جارہا ہے کہ نہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ راولپنڈی کے علاقے ٹینچ بھٹہ میں بھی پیش آیا جہاں احمدیوں کی ایک عبادت گاہ ہے۔ وہ وہاں اجتماعی عبادت اور جمعہ کی نماز کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں۔ یہ جگہ کمیونٹی میٹنگوں اور اجتماعات کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ایک پولیس اہلکار نے اس مقام کا دورہ کیا اور کہا کہ اسسٹنٹ کمشنر (اے سی) نے سنٹر کے منتظم کو ملاقات کے لیے بلایا ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے مقامی صدر عبدالغنی ان سے ملے۔ اے سی نے انہیں کہا کہ احمدی ایک رہائشی علاقے میں واقع اس عمارت کو عبادت کے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قابل اعتراض بات ہے۔ مسٹر غنی نے انہیں بتایا کہ یہ عمارت صدر انجمن احمدیہ کے نام پر رجسٹرڈ ہے اور دستاویزات کے مطابق اسے مذہبی مقاصد کے لیے استعمال ہونا ہے، اس لیے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اے سی نے مسٹر غنی کو کہا کہ ڈپٹی کمشنر سے این او سی لیں اور اس وقت اس جگہ کو عبادت کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ اس کے بعد پولیس نے مسٹر غنی سے حلف نامہ لیا کہ وہ این او سی لینے تک اسے عبادت کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس وقت مقامی احمدیوں کے لیے وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں وہ اکٹھے ہو کر اپنی عبادت کرسکیں۔ (نظارت امور عامہ جماعت احمدیہ)

جماعت احمدیہ کے رہنما کے مبینہ قاتل کی رہائی

ننکانہ صاحب جماعت احمدیہ کے ضلعی صدر ایڈووکیٹ سلیم لطیف کو 30 مارچ 2017 کو ایک مذہبی شدت پسند راشد نے اس وقت گولیاں مار کر قتل کر دیا تھا جب وہ عدالت جارہے تھے۔ مسٹر لطیف اپنے موٹر سائیکل پر سوار عدالت جارہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا محمد فرحان بھی تھا کہ راستے میں گھات لگائے قاتل نے ان پر فائرنگ کردی۔ مسٹر لطیف موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ اس کے بعد حملہ آور نے ان کے بیٹے کو بھی مارنے کی کوشش کی مگر وہ خوش قسمتی سے محفوظ رہا۔ بعدازاں خاندان کو دھمکیاں دی جاتیں رہیں۔ واقعے کے بعد حملہ آور کو گرفتار کیا گیا۔ وہ ننکانہ صاحب میں علی جیولرز میں بطور سیکیورٹی گارڈ کام کررہا تھا اور اس کے قبضے سے برآمد ہونے والا ہتھیار بھی دکان کے مالک کے نام پر رجسٹرڈ تھا۔ گرفتاری کے بعد، انسداد دہشت گردی کی عدالت میں ملزم کے خلاف مقدمہ چلا۔ تاہم 21 جنوری 2019 کو عدالت نے ملزم کی رہائی کے احکامات جاری کردیے۔

(نظارت امور عامہ جماعت احمدیہ)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1- وقوعہ کیا تھا:			
2- وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3- وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل ضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم و رواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5- وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6- وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7- وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8- وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9- وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	1-			
	2-			
	3-			
10- وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت		بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	با اثر صلاحیت/سیاسی اثر و رسوخ

11- وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	1-			
	2-			
	3-			

12- وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان و غیر جانبدار افراد کے کوائف و موقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13- اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14- اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15- وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط:..

تاریخ:..

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹس بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیج سکتے ہیں

Human Rights Commission of Pakistan
جہد حق
Monthly JEHD-E-HAQ

محترمہ عاصمہ جہانگیر کی
پہلی برسی کی مناسبت سے
یادگاری تقاریب کا اہتمام کیا گیا

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15